زیر انتظام جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی، سرگودھا فون نمبر: 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

☆ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سامنا ہے یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چندروزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہوگئی۔

☆ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامہ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

☆ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1۔ اپنے ذہین وفطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کیلئے ادارہ میں داخل کروا کر۔

2۔ طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔

3۔ ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کیلئے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔

4۔ ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائق اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔

5۔ ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کیلئے

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون 0301-6702646

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

دقائق اسلام

سرگودھا

جلد: ۱۳ | مارچ ۲۰۱۰ء | شمارہ: ۱۲

زر تعاون 200 روپے
لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

دہشت گرد اسلام اور پاکستان کے دشمن

سرزمین پاک کچھ عرصہ سے دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع اور ملکی املاک کی بربادی وسیع پیمانے پر جاری ہے سابقہ دور کے کچھ آمروں نے ملک کو مشکلات سے دوچار کردیا اور غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کے لیئے ملک کا امن تباہ کردیا ان کے علاوہ کچھ مذہبی جنونی لوگ اسلام کے نام پر خونریزی کی آگ بھڑکا رہے ہیں حقیقت یہ ہے دہشت گردوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اسلام امن اور بھائی چارے کا دین ہے یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ اس صورت سے ملک کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی اور پاکستان کے دشمن اپنے عزائم میں کامیاب ہوجائیں گے پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ تمام مسالک اور مکاتب کے لوگ باہم محبت وآشتی سے زندگی گزاریں اور ایک ایسا ملک بنائیں کہ دیگر اسلامی ممالک اس کی تقلید کریں اور غیر مسلم اقوام اسلام کی تعلیمات تسلیم کرکے راہ ہدایت حاصل کریں۔

دہشت گردی کی ان وارداتوں میں وہی لوگ برسرپیکار ہیں جو قیام پاکستان کے مخالف تھے ان لوگوں نے دل سے پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا۔

حکومت وقت کے اقدامات سے کافی حد تک ان کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور پاکستان کی بہادر افواج کی قربانیوں سے ان کا نیٹ ورک کمزور پڑ گیا ہے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں کے عوام کا فرض ہے کہ دہشت گردوں کے خاتمے کے لئے حکومت وقت اور فوج کا بھرپور ساتھ دیں اور دہشت گردوں کے ٹھکانوں تک رسائی کے لئے فوج کی مدد کریں تاکہ فتنہ اور فساد کے بادل چھٹ جائیں اور ملک پھر سے امن کا گہوارہ بن جائے۔

تمام مکاتب فکر کے علماء اور دانشور اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لاکر دہشت گردی کے عفریت کو تباہ کرنے میں حکومت کا ساتھ دیں۔

تمام سیاسی پارٹیاں اپنے ذاتی اختلافات بھلا کر اجتماعی طور پر دہشت گردی کے خاتمے کے لئے حکومت کا ساتھ دیں تاکہ ملک کی سلامتی اور استحکام پر آنچ نہ آئے یاد رکھیئے یہ ملک ہوگا تو سیاست ہوگی سب لوگ عوام وخواص ملکی بقاء کے لئے جدوجہد کریں ذاتی مفادات کو قربان کرکے قومی مفادات کے لئے کام کریں قومی اتحاد کی اس وقت جتنی ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی اگر اب بھی قوم اختلافات وانتشار کا شکار رہی تو ملک کی بنیادیں ہل جائیں گی۔

آیئے سب مل کر عہد کریں جس طرح سب مکاتب فکر اور تمام سیاسی پارٹیوں نے مل کر پاکستان بنایا تھا اسی طرح سب مل کر پاکستان بچانے کے لئے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں تاکہ دشمن اپنے عزائم اور ارادوں میں ناکام ہو اور پاکستان مضبوط اور مستحکم ہو۔

☆☆☆☆☆

باب العقائد

مقام الوہیّت کی وضاحت

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

اب قابل غور و تدبر یہ بات ہے کہ کون سے کام مقام الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسویں پارہ کا پہلا رکوع بغور پڑھنے سے کم از کم پندرہ عدد تکوینی امور کی انجام دہی کا ذات خدوندی سے وابستہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ ان امور کی اجمالی فہرست یہ ہے:

(۱) خلقت زمین و آسمان (۲) بارش برسانا (۳) باغات وغیرہ اُگانا (۴) زمین کو قرارگاہ بنانا۔ (۵) زمین میں دریا جاری کرنا (۶) زمین کی روک تھام کے لئے پہاڑوں کا سلسلہ کھڑا کرنا۔ (۷) میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان حائل قرار دینا (۸) مضطر کی دعاؤں کا سننا (۹) دکھ درد اور مصائب کا دور کرنا۔ (۱۰) زمین پر خلیفے بنانا (۱۱) خشکی و تری کی تاریکیوں میں رستہ دکھانا (۱۲) ہواؤں کا چلانا (۱۳) پہلے مخلوق کو پیدا کرنا پھر لوٹانا (۱۴) زمین و آسمان سے مقرر رزق پہنچانا۔ (۱۵) عالم الغیب ہونا۔ پس ان حقائق قرانیہ سے معلوم ہوگیا کہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور الہ وہ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اسی سلسلہ ذات واحد و یکتا کی طرف ہی رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام چونکہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ توسل ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ سب کچھ کلمہ توحید و ایمان کے اندر پوشیدہ ہے (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی و لی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل)۔ پس جب خدا کو الہ مان لیا تو پھر اُسے سب کچھ مان لیا۔

چوں گویم لا الہ از جاں بترسم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

(۱۶) اللہ الذی جعل لکم الارض قراراً و السماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العالمین (پ ۲۴ سورہ مومن آیت ۱۲) اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی نے تمہیں صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو خدا بہت ہی متبرک ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

(۱۷) ھو الحی لا الہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین (پ ۲۴ س مومن ع ۱۲) وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نری کھری اس کی عبادت کر کے اس سے دعا مانگو سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ (ترجمہ فرمان)

ایک عام مغالطہ کا ازالہ:

میدان شرک کے شاہسوار بالعموم اس مقام پر یہ کہہ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم اہلبیت کو خدا یا خدا جیسا تھوڑا ہی سمجھتے ہیں۔ ہم تو ان کو خدا کا خاص بندہ سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا کی صفات خاصہ ان میں تسلیم کرلیں اور خدائی کاموں کا مطالبہ ان سے کرلیا۔ اولاد ان سے مانگی۔ دکھ درد دور کرنے کی استدعا ان سے کی۔ ازالہ مرض کا سوال ان سے کیا! مقدمات میں کامیابی حاصل کرنے کی دعائیں ان سے کیں۔ روزی ان سے طلب کی وعلی ہذا القیاس۔ حالانکہ یہ سب کام خدا سے مختص ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔ تو باقی کیا رہ گیا سبحان اللہ عما یشرکون۔

بقیہ صفحہ نمبر ۵ باب الاعمال

علاج معالجہ کا حکم:

خدا کی ذات پر توکل و اعتماد بے شک عقیدہ توحید کی روح رواں ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ جائے اسلام پہلے تو پرہیز پر زور دیتا ہے کہ الوقایۃ خیر من العلاج یعنی پرہیز دواسے بھی بہتر ہے مگر مرض کی صورت میں علاج بھی ضروری ہے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے لکل داء دواء ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ مروی ہے کہ ایک بار ایک نبی بیماری ہوا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا یا اللہ! مرض کس کی طرف سے ہے؟ ارشاد باری ہوا میری طرف سے! پھر سوال کیا یا اللہ! شفا کس کی طرف سے ہے؟ ارشاد ہوا میری طرف سے۔ نبی اللہ نے کہا پھر میں ہرگز علاج نہ کروں گا۔ ارشاد رب العزت ہوا۔ اس طرح میں تجھے ہرگز شفا نہیں دوں گا۔ (انوار نعمانیہ) لیکن نیم حکیم خطرہ جان کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے جو شخص بغیر طب جانے کسی کا علاج کرے وہ ضامن ہے (الوسائل)

بقیہ صفحہ ۶ باب التفسیر

ایک آیت کی تفسیر میں سورہ بقرہ نمبر ۱۵۴ کے اندر حیات شہداء پر بقدر ضرورت گفتگو کی جاچکی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں خدا نے فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو۔ اور یہاں فرمایا ہے۔ کہ ان کے مردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اور بارگاہ خدا سے رزق پارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اسکے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے روح کی ماہیت آج تک سر مکتوم ہے اس کو نہ سمجھنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ (ضیاء القرآن) حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا! ایک شخص حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں بخوشی جہاد کرنا چاہتو ہوں۔ فرمایا بے شک راہ خدا میں جہاد کر اگر مارا گیا۔ تو ایسا زندہ قرار پائے گا کہ جو اللہ سے رزق پاتا ہے۔ اور اگر اپنی موت مرگیا تو تیرا اجر و ثواب خدا کے ذمہ ہوگا اور اگر زندہ لوٹ آیا تو گناہوں سے پاک ہوجائے گا (تفسیر عیاشی)۔ انہی جناب سے مروی ہے کہ یہ ایت ہمارے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ جب انکی روحیں جنت الفردوس میں داخل ہونگی اور وہ بارگاہ خداوندی سے عزت و کرامت حاصل کریں گے اور انکو مکمل یقین ہوجائے گا کہ وہ دین حق پر تھے تو اپنے پسماندگان اہل ایمان کے بارے میں خوش ہونگے کہ آخر ایک دن وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ (اصول کافی)

باب الاعمال

جنسی خواہش کی تسکین جسمانی ورزش اور بے جا تشدد کی ممانعت

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

جنسی خواہشات کی تسکین:

جس طرح غذا میں اعتدال ضروری ہے اسی طرح جنسی خواہشات کے سلسلہ میں بھی اسلام حد اعتدال سے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جب مرد، عورت کے یہ تعلقات فطری ضرورت سے آگے بڑھ کر عیاشی کی صورت اختیار کرلیں تو اس سے نہ صرف یہ کہ صحت برباد ہوجاتی ہے بلکہ معاشرہ میں طرح طرح کی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں اسلام نے اگر ایک طرف نکاح کو نصف ایمان قرار دیا ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح کردیا ہے کہ جو شخص صرف مال یا جمال یا صرف تسکین شہوت کے لئے نکاح کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اسلام مرد اور عورت کو یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ اس ازدواج سے جائز طریقہ پر تسکین خواہش کے ساتھ ساتھ اصل مقصد بقاء نسل ہے لہٰذا وہ یہ ملحوظ رکھیں کہ اس تعلق کے نتیجہ میں ان پر اولاد کی پرورش، ان کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے اگر یہ سوچ سمجھ کر فریضہ زوجیت ادا کیا جائے تو پھر لازماً ان تعلقات میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔

جسمانی ورزش: صحت کو برقرار رکھنے کے لئے جسمانی ورزش بھی ضروری ہے اسلام نے مسلمانوں کو اس کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اسلام میں گھڑسواری، تیراندازی اور تیراکی کے مظاہروں کی جو ہمت افزائی کی گئی ہے۔ وہ اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔

بے جا تشدد کی ممانعت: خدائے رحمان نے دین اسلام کو آسان بنایا ہے اس نے انسانی طاقت برداشت سے بھی کمتر پابندیاں عائد کی ہیں وہ ہرگز طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی وقت کوئی بندہ از خود اپنی جان پر سختی کرتا ہے اور غیر شرعی پابندیوں میں اپنے آپ کو جکڑتا ہے تو شریعت اسے گناہ قرار دیتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس جسم و روح خدا کی مقدس امانت ہے اور خدا کی امانت میں ہمیں کسی قسم کی زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔ بے جا سختیوں سے جسم کمزور پڑ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمزور جسم کماحقہ فرائض زندگی کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس مضبوط اور تنومند جسم خدا کی عبادت اور خلق کی خدمت پورے جوش و خروش سے کرتا ہے اس لئے حدیث میں وارد ہے: "المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف"۔ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے کمزور جسم اور خراب صحت سے نہ صرف یہ کہ دنیا کے دکھ درد میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ وہ محنت و مشقت کرکے سوسائٹی کو پورا فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ عقل سلیم بھی جسم سلیم میں ہوتی ہے۔ کمالا یخفی۔

بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

باب التفسیر

شہدائے راہ خدا زندہ ہیں

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون (۱۶۹) فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۱۷۰) یستبشرون بنعمۃ من اللہ و فضلٍ و ان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین (۱۷۱)

ترجمہ آیات:

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں (۱۶۹) اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش و خرم ہیں۔ اور اپنے پسماندگان کے بارے میں بھی جو ہنوز ان کے پاس نہیں پہنچے خوش اور مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی خوف نہیں ہے۔ اور نہ کوئی حزن و ملال ہے (۱۷۰) وہ اللہ کے فضل و انعام پر خوش اور شاداں ہیں اور اس بات پر فرحاں ہیں کہ اللہ اہل ایمان کے اجر و ثواب کو ضائع و برباد نہیں کرتا (۱۷۱)۔

شہیدانِ راہ خدا زندہ ہیں:

یہ آیت بظاہر منافقین کے خیال کا رد ہے جو شہداء راہ خدا کو مردہ تصور کر کے ان کے حال پر اظہار افسوس کرتے تھے۔ کہ ہمارا کہنا نہ مانا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان کے جواب میں خدا فرما رہا ہے کہ شہیدانِ راہ خدا و کشتگان راہ وفا کو مردہ کہنا غلط ہے وہ تو زندہ ہیں۔ اور زندہ بھی پوری کیفیات زندگی کے ساتھ ہیں ان کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے رزق ملتا ہے ظاہر ہے کہ رزق زندہ کو ہی ملتا ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش و خرم ہیں۔ نیز وہ اپنے جو اعزا و اقارب دنیا میں چھوڑ گئے ہیں وہ ان کے بارے میں بھی خوش ہیں اور پرامید ہیں کہ جب وہ دنیا میں رہ کر ایمان کے ساتھ نیک کام کریں گے اور مصروف جہاد رہیں گے تو انجام کار ان کو بھی یہی نعمتیں میسر آئیں گی۔ کیونکہ خدا ایمان والوں کے اجر و ثواب کو برباد نہیں کرتا۔ دنیا میں رہ کر ان کا ایمان تھا اور اب مشاہد و عیاں ہے۔ ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ شہید کی یہ حیات اس حیات برزخی سے علیحدہ ہے جو ہر مسلم و کافر کو حاصل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس حیات کی پوری کیفیت و نوعیت کو نہ سمجھ سکیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں بھلا سونے والے نے عالم خواب میں کب بیداری کو سمجھا ہے؟ جو ہم اس خواب بیداری میں اس حیات جاودان کی کیفیت کو سمجھ سکیں جو راہ خدا میں شہید ہو کر حاصل ہوتی ہے؟ بس اسکی حقیقت و اصلیت خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ ہمارے فہم و ادراک کی حدوں سے ماوراء ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس آیت کے ساتھ ملتی جلتی

بقیہ صفحہ ۴ پر ملاحظہ فرمائیں

باب الحدیث

ان لوگوں کا بیان جن کی صحبت اور ان سے مشورہ کرنا مکروہ ناپسندیدہ ہے

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔ کہ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ اس سے دوستی کی جائے اور اس سے یارانہ گانٹھا جائے۔ چنانچہ حکماء اسلام یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے اپنی احادیث میں وضاحت فرمائی ہے کہ کس قسم کے لوگوں سے دوستی کرنی چاہیئے اور ان کے کیا علامات اور صفات ہیں جن کا ایک شمہ گذشتہ اقساط میں بیان کیا جا چکا ہے۔ آج ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کا تذکرہ کیا جائے جن سے دوستی کرنا اور جن سے مشورہ کرنا شرعاً ناپسندیدہ فعل ہے۔

ا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا میرے والد ماجد نے مجھ سے بیان کیا کہ مجھے میرے والد ماجد نے فرمایا بیٹا پانچ قسم کے لوگوں سے نہ دوستی کرنا اور نہ ہی ان سے مشورہ کرنا میں نے عرض کیا بابا جان وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

(۱) پہلا شخص کذاب ہے (بہت جھوٹا) وہ بمنزلہ سراب ہے (آب نہیں ہے) وہ تمہارے لئے قریب کو بعید اور مفید کر کے دکھائے گا۔

(۲) دوسرا فاسق و فاجر شخص ہے۔ کیونکہ وہ ایک لقمۂ نان کے عوض تمہیں فروخت کر دے گا۔

(۳) تیسرا بخیل ہے کیونکہ اپنی بخالت اور رذالت کی وجہ سے تمہیں اس وقت بے یار و مددگار چھوڑ دے گا جب اسکے محتاج ہو گئے۔

(۴) چوتھا احمق ہے وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا۔ مگر اپنی حماقت کی وجہ سے نقصان پہنچا بیٹھے گا۔

(۵) پانچواں قطع رحمی کرنے والا اس سے دوستی نہ کرنا کیونکہ میں نے اسے کتاب اللہ میں کئی مقامات پر ملعون پایا ہے (اصول کافی)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین کے سلسلۂ سند سے حضرت رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنکی ہمنشینی دلوں کی موت کا باعث بنتی ہے۔

(۱) خبیث لوگوں کی ہم نشینی (۲) عورتوں کے ساتھ باتیں کرنا

(۳) مالدار لوگوں کے پاس بیٹھنا (ایضاً)

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اہل بدعت لوگوں کی ہمنشینی اختیار نہ کرو۔ ورنہ لوگوں کی نظر میں تم بھی انہی جیسے سمجھے جاؤ گے۔ پھر فرمایا: کہ حضرت رسولخداؐ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کے دین و مذہب پر ہوتا ہے (ایضاً)

۴۔ نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا چار چیزیں بالکل ضائع و برباد ہو جاتی ہیں۔

(۱) بے وفا سے محبت کرنا

(۲) ناشکرے آدمی پر احسان کرنا

(۳) اس شخص کو کچھ پڑھانا جو توجہ ہی نہ کرے

(۴) اور اس شخص کو راز دار بنانا جو امین نہ ہو (ایضاً)

باب المسائل

سوالات کے جوابات

بمطابق فتویٰ آیت اللہ محمد حسین نجفی دام ظلہ العالی

سوال ۱۵۷: عزاداری کی مثالی شکل اور خدوخال کیا ہے۔ اگر مروجہ رسومات جو علاقائی روایات کی مرہون منت ہیں۔ یکسر عزاداری سے باہر نکال دی جائیں تو عزاداری کی کیا شکل و صورت رہ جائے گی۔ جو رسومات و روایات سے پاک ہو اور خالصۃً عزاداری کہلا سکے؟ کیا ان رسومات سے اجتناب کر کے کوئی مومن عزادار کہلا سکتا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ عزاداری کی مثالی شکل وصورت اور اسکے خدو خال وہی ہیں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لیکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ اہلبیت کے ادوار میں تھے۔ مثلاً مظلوم کربلا کی صف ماتم بچھائی جائے اور علاقہ کے اہل ایمان کو اطلاع دی جائے۔ اور مقررہ وقت پر کوئی خطیب ان مظالم جو مظلوم کربلا پر ڈھائے گئے۔ اور ظالموں کو بے نقاب کر کے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی شہادت کا مقصد بیان کرے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے یہ سب کچھ دین اسلام کی بقاء اور امت محمدیہ کی فوز وفلاح کیلئے کیا ہے۔ تو پھر دین اسلام کے اصول و فروع اور اسکے تعلیمات مقدسہ کا تذکرہ کیا جائے۔ جس میں بقدر ضرورت اہلبیت کے فضائل اور انکے دشمنان کے رذائل کا بھی تذکرہ کیا جائے اور سب سے بڑھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے۔ سید الشہداء کی عزاداری غلط رسوم و قیود اور جاہلی ادوار کی روایات کی محتاج نہیں ہے۔

اور اگر بعد والے ائمہ اور اہل ایمان عزادار حسین کہلا سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں کہلا سکتے

ع حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

ہاں البتہ اگر عزادارن حسین اگر جلوس نکالیں جس میں عزاداروں کا سادہ طرز میں مظلوم کربلا کے مصائب اور ظالموں کے ظلم کا تذکرہ کیا جائے عامۃ الناس اور جلوس کو دیکھنے اور لوگ ظالم سے نفرت کریں اور مظلوم سے الفت تو یہ بات مقصد عزاداری کیلئے سونے پر سہاگہ کا کام دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس جلوس میں کسی منکر اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً خواتین نہ ہوں اور اگر ہوں تو باپردہ ہوں نماز یا کسی دوسرے رکن دین کو ضائع نہ کیا جائے۔ بلکہ جب اور جہاں نماز کا وقت فضیلت داخل ہو جائے وہیں جلوس روک کر کربلا والوں کی تقلید و تاسی میں نماز ادا کیا جائے۔

تاکہ عزاداری کی تاثیر دوبالا ہو جائے اور حق کا بول بالا اور باطل کا منہ ہمیشہ کیلئے کالا ہو جائے۔

نوٹ:

اور اگر بعد مکانی و زمانی کی وجہ سے عزادار کوئی شبیہ بنانا چاہیں جیسے روضہ سید الشہداء کی شبیہ اور سرکار وفا کے علم کی شبیہ جو بے جان کی بے جان ہونے یا سرکار امام عالیمقام کے گھوڑے کی شبیہ ذوالجناح جو جاندار کی جاندار شبیہ ہونے کی بناء پر بننا جائز ہے تو بنا سکتے ہیں تاکہ واقعۂ کربلا کو تمثیلی شکل میں پیش کیا جائے بشرطیکہ ان پر کوئی حرام کام نہ کیا جائے جیسے سجدہ یا چڑھاوے اور منت وغیرہ۔

سوال ۱۵۸: توکل کا صحیح مقام اور تعریف کیا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں اکثر لوگوں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ اکثر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی مقصد کے حصول کیلئے کوئی عملی جدوجہد نہ کرے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور خدا پر بھروسہ کرے۔ جبکہ یہ بات غلط ہے۔ یہ عالم اسباب ہے۔ ہر چیز سبب و مسبب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا جب آدمی کوئی مقصد حاصل کرنا چاہے تو اسکے حصول کے جو اسباب ہیں ان کو فراہم کرے مگر ان کو کامیابی کی کلید نہ سمجھے بلکہ اپنے خالق و مالک پر بھروسہ کرے کہ اگر اس کو منظور ہوا تو اسباب اپنا اثر دکھائینگے۔ ورنہ سب کچھ دھرا رہ جائے گا پس جدوجہد کرنے اور نتیجہ خدا کے حوالے کرنے کا نام توکل ہے فعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ مومنوں کو اپنے اللہ پر توکل و اعتماد کرنا چاہیئے۔ و نعم ما قیل۔

گفت پیغمبر با واز بلند
بر توکل زانوئے اشتر ببند

سوال ۱۵۹: اور اے فضیل! کیا تم لوگ ہمارے جد بزرگوار امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر مجالس برپا کرتے ہو؟ ہاں مولا! ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں! ہم ایسی مجالس برپا کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا ہم ایسی مجالس سے محبت کرتے ہیں! ہمارے امر کو زندہ کرو۔ خدا اس پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔ جو شخص ایسی مجالس میں بیٹھے گا کہ جہاں اس امر کی احیاء ہوتا ہو تو اس کا دل قیامت کے دن زندہ ہوگا جبکہ ہر دل اس روز مردہ ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ امر ائمہ ہے کیا مراد ہے؟ جو کہ محتاج احیاء ہے؟ عرب کے لوگ دور جاہلیت میں بھی امر سے مراد حکومت اور سیادت لیتے تھے اور خود پیغمبرؐ بھی امر سے مراد حکومت اور سیادت لیتے تھے۔ عرف عام میں بھی مسلمانوں کے یہاں امر سے مراد حکومت ہی لئے جاتے رہے ہیں! حضور نے دعوت ذوالعشیرہ میں بھی امر سے مراد حکومت اور حضرت علیؑ کو اپنے بعد وصی و خلیفہ قرار دیا ہے۔ جس سے مراد حکومت ہی تھا۔ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳ میں فرمایا امر (خلافت) کے لئے جب میں نے قیام کیا تو ایک گروہ نے بیعت کو توڑ ڈالا اور دوسرے منحرف ہوگئے۔ خطبہ نمبر ۳ میں خطبہ دیا کہ ایک شخص نے کہا کہ تم امیر حکومت (خلافت) بہت حریص ہو۔ میں تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ حقدار ہوں۔ مشرکین، مسلمین، مومنین اور حضور، امیر المومنین۔ سب کے سب امر سے مراد سیادت و خلافت اور حکومت لیتے تھے۔ خود قرآن میں امر سے مراد حکومت لیتا ہے سورۃ نساء۔ آیت ۵۹۔ "اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر (حکومت) ہوں انکی اطاعت کرو۔ حضرت امام حسینؑ کے خطبات اور

خطبات اور ارشادات سے اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور یزید کے خلاف امام کے قیام کے مقصد و ہدف پر گہری نظر ڈالی جائے تو بھی یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ کے قیام۔ کا بھی مقصد اس امر خلافت سے تعلق رکھتا تھا۔ تاکہ حکومت الٰہیہ کے جسکی بنیاد پیغمبر اسلام ڈال کر گئے تھے وہ غاصب اور نا اہل کے ہاتھوں سے نکال کر اپنے صحیح اور اہل مرکز کی طرف پلٹ آئے (حوالہ عزاداری کیوں؟) آپ ہر پہلو پر جامع تبصرہ اعد جواب سے نوازیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ یہ سارا مضمون غلط ہے کیونکہ اس پورے مضمون کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہی غلط ہے۔ لہٰذا بموجب

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

جاہلیت کے دور میں امر، سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ اس پر تو کوئی جاہلی دور کا آدمی ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔ مگر جہاں تک قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہ السلام کے فرمان کا تعلق ہے۔ تو بلا اشکال اس سے مراد دین اسلام، مذہب حق ہی مراد ہے۔ مثلاً پہلی حدیث جس میں امام ثامن ضامن کا فضیل سے یہ فرمانا مذکور ہے۔ کہ اے فضیل! کیا تم آپس میں مل بیٹھ کر ہماری احادیث کا تذکرہ کرتے ہو؟ راوی نے عرض کیا۔ ہاں مولا! فرمایا میں ایسی مجالس کو پسند کرتا ہوں پھر فرمایا خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر یعنی ہمارے دین و مذہب کو زندہ کرے (بحار الانوار وغیرہ) ظاہر ہے کہ ان مجالس اور اس تذکرہ احادیث کا حکومت اور سیادت سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت رسول خدا نے جو یہ فرمایا تھا کہ کون ہیں جو اس امر یعنی اس دین کی نشر و اشاعت میں میرا ہاتھ بٹائے جو دین میں لایا ہوں (جس کا تذکرہ ابھی ابھی فرما چکے تھے)۔ اس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے خطبوں میں بھی اس امر سے مراد خلافت ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ خلافت سے مراد پیغمبر اسلام کی نیابت ہے اور کسی نبی کیلئے حکومت کا ہونا شرط نہیں ہے ورنہ اکثر انبیاءؑ کی نبوت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بھی نبی و رسول کا حقیقی کام دین کا ابلاغ ہی ہوتا ہے رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس حجة علی الله بعد الرسل (القرآن) اور جہاں تک آیت اولی الامر کا تعلق ہے اس میں امر سے مراد حکومت لے کر تو مذہب حق کا جنازہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی بات تو مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ اولی الامر سے مراد حکام وقت ہیں۔ اور چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقت میں اقتدار اور تمام زمام حکومت یزید کے پاس تھی۔ لہٰذا امام حسینؑ پر یزید کی اطاعت لازم تھی (العیاذ باللہ) اور ظاہر ہے یہ حکومت صرف پونے پانچ سال حضرت امیر علیہ السلام کو ملی یا پھر چھ ماہ تک حضرت امام حسن علیہ السلام کو حاصل ہوئی اور باقی دس امام اس سے محروم رہے۔ تو کیا وہ اولی الامر کے مصداق نہ تھے؟ (العیاذ باللہ) ہاں البتہ ظاہری حکومت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ دین و مذہب کو قائم کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے۔ مگر اصل ہدف اور مقصد نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔ اگر اس حکومت سے میرا مقصد حق کا قائم کرنا اور باطل کا مٹانا نہ ہوتا۔ تو میں ناقہ خلافت کی مہار اسکی کوہان پر ڈال دیتا کہ جہاں اس کا جی چاہے چلی جائے۔ (نہج البلاغہ)

باب المتفرقات

عوام زدگی اور عوام زدہ لوگوں کے خطرے کو اہمیت دیجئے

محمد یوسف بشکریہ رسالہ بینات

ہم علماءِ دین سے مخاطب ہیں۔ کیا ایک ''عالم'' ''عوام'' ہو سکتا ہے۔ اگر ''عوام'' ہونے کی بنیادی خصوصیت ''جہالت'' قرار دی جائے، تو کیا ایسی صورت میں کسی کے ''عالم'' اور ''عوام'' دونوں ہونے کے معنی یہ نہیں کیے جائیں گے کہ وہ ''علم اور جہل'' کا مجموعہ ہے، اور کیا یہ ''تناقض'' نہیں ہوگا۔

معارفِ اسلامی میں ایسے بکثرت شواہد موجود ہیں جن کی رو سے بہت سے ''علما'' پر ''جاہل'' کا اطلاق کیا گیا ہے اور عالموں کے ایک گروہ کا شمار جہلا کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے: رب عالم قد قتله جهله۔ ''بہت سے عالموں کو ان کا جہل تباہ کر دیتا ہے''۔ (نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۱۰۷) اور نہج البلاغہ ہی میں ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ: لا تجعلوا علمكم جهلاً ''خبردار اپنے علم کو جہل نہ بناؤ'' (نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۲۷۴)

یہ فکر انگیز کلمات ہمیں اس نکتے کو سمجھنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ کیوں اور کیسے ایک عالم، ایک جاہل کا ساطرزِ فکر اختیار کر لیتا ہے اور اس کا علم و معرفت عوام کے جہل و نادانی کی سطح تک پست ہو جاتا ہے۔

ہم پر یہ تناقض اور تضاد اس وقت آشکار ہو سکتا ہے، جب ہم یہ بات جان لیں کہ:

اولاً: ''علم'' کو اگر بعض مسائل سے ''واقفیت'' اور بعض معلومات کا حصول سمجھا جائے، تو اس کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ انسان نے انہیں سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ذہن میں بے انتہا معلومات جمع ہوتی ہیں، اور حتیٰ وہ انہیں دوسروں کے سامنے پیش کرنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں، لیکن ''تفکر اور تعقل کی قدرت'' سمجھنے کی صلاحیت، فکری مسائل کے تجزیہ و تحلیل کی قدرت اور جاہلوں کی طرف سے اٹھائے گئے شبہات اور اعتراضات کے سامنے ثابت قدم رہنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسا فرد گو کہ ''علم مسموع'' کا حامل ہوتا ہے، لیکن کیونکہ ''علم مطبوع'' سے بے بہرہ ہے، اس لیے تاریکی نے اس کی روح کی گہرائیوں میں اثر کیا ہے اور اسکے محفوظات عالمانہ ''توہمات عوامانہ'' اور اسکی جاہلانہ تحلیلوں میں رکاوٹ نہیں بنتے۔

امیر المومنین کے کلام کے مطابق:

''العلم علمان: مطبوع و مسموع، و لا ينفع المسموع اذا لم يكن المطبوع''

''علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو طبیعت میں رچ بس جاتا ہے، اور ایک وہ جو صرف سن لیا جاتا ہے، اور سنا سنایا علم اس وقت تک فائدہ نہیں پہنچاتا جب تک وہ طبیعت کا حصہ نہ بن جائے۔'' (نہج البلاغہ کلماتِ قصار ۳۳۸)

ثانیاً: سمجھ بوجھ رکھنے والے عالم کے لیے بھی یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے "عوام زدگی" کا شکار ہو جائے، اور اسکی فکری قوت مغلوب ہو جائے۔ کسی ادعا کو بغیر دلیل کے قبول کر لینا، موہومات اور خرافات سے متاثر ہو جانا، بے اساس سنتوں پر بے جا اعتماد اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ان کمزوریوں میں سے ہیں جو "سمجھ بوجھ کی روح" کو نقصان پہنچا سکتی ہیں، اور عالم کو عوام سے ملحق کر دیتی ہیں۔ استاد شہید مطہریؒ کا حکیمانہ کلام ہے کہ:

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عالم دین ہیں لیکن "روح علمی" یعنی روحِ حقیقت جوئی، روحِ بے غرضی اور اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والے بے تعصبی کی روح، جمود اور غرور سے خالی ہونے کی روح کے مالک نہیں ہوتے۔ بکثرت روایات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے، کہ عالم کو متعصب نہیں ہونا چاہیے، تحجر کا مالک نہیں ہونا چاہیے (جس کے تحت کہنے لگے کہ) جو کچھ میں نے تشخیص دیا ہے بس فقط وہی صحیح ہے۔ جو شخص علمی روح کا مالک ہوتا ہے وہ دلیل کے ذریعے مدعا کی طرف جاتا ہے اور دلیل اُسے مدعا کی جانب لے جاتی ہے اور اسکے برعکس نقطہ یہ ہے کہ انسان مدعا سے دلیل کی طرف آئے، یعنی پہلے مدعا کا انتخاب کرتا ہے، اور اُسکے بعد اسکے لیے دلیل تلاش کرنے کی طرف جاتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ ایسی دلیلیں جعلی اور تراشی ہوئی دلیلیں ہوتی ہیں۔"

عوام زدہ عالم جس چیز کو بھی خود نہیں سمجھتا اور قبول نہیں کرتا، اسے باطل قرار دیتا ہے اور اس چیز کو کسی کے لیے بھی قابلِ درک و فہم نہیں سمجھتا، اور اپنے فہم ناقص سے بڑھ کر کسی اور کو عقل و شعور اور علم و دانش کا مالک نہیں سمجھتا۔ امیر المومنینؑ ایسے عالم کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"لا یحسب العلم فی شئی مما انکرہ و لا یری ان من وراء ما بلغ مذھباً لغیرہٖ"

"جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابلِ اعتنا علم قرار ہی نہیں دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اسکے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے۔" (نہج البلاغہ)

ثالثاً: یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ "علم" اور "عقل" کا چولی دامن کے ساتھ ہے۔ بے شک علم آموزی انسان کی عقل کی نشو ونما اور ارتقا میں موثر ہے، لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جس کسی نے زیادہ تعلیم حاصل کر لی ہے، وہ استقلالِ فکری اور زیادہ عقل و شعور کا مالک بھی ہوگا۔ انسان کا حقیقی کمال "تعقل" میں ہے۔ لہٰذا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آیتِ شریفہ: "**فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب**" "میرے اُن بندوں کو بشارت دے دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں۔" (سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۱۷، ۱۸)

سے ہدایت لیتے ہوئے ہشام سے فرمایا ہے: **یا ھشام! ان اللہ تبارک و تعالیٰ بشر اھل العقل و الفھم فی کتابہ۔** "اے ہشام! خدا نے اپنی کتاب میں عقل و فہم رکھنے والے لوگوں کو بشارت دی ہے۔" یعنی خدا نے اہل علم کو بشارت نہیں دی ہے۔ علم فکری امور کی پیداوار کے لیے خام مواد فراہم کرتا ہے، لیکن کارخانہ اس وقت مفید پیداوار دینے میں کامیاب

ہوگا جب اس خام مواد پر غور و فکر اور تجزیے و تحلیل کے لیے عقل کی قوت فعال ہو۔ اسی بنا پر امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک اور آیت کی روشنی میں عقل اور علم کی ضروری ہونے کو بیان کیا ہے: "یا ھشام! ثم بین ان العقل مع العلم" اے ہشام! عقل علم کے ہمراہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم ہمیشہ عاقل نہیں ہوتا لیکن عاقل ہمیشہ اپنے علم سے بھرپور استفادہ کرتا ہے۔

اور کیونکہ "عقل" کی ضد "جہل" ہے، اس لیے 'عالمِ جاہل' کی ترکیب میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں پایا جاتا، اور یہ ترکیب در اصل ان عوام زدہ علما کے بارے میں ہے جو بے انتہا معلومات تو رکھتے ہیں لیکن عقل سے خالی ہیں اور اپنی کم عقلی کی وجہ سے عوام کی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔

رابعاً: اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بسا اوقات سمجھدار علما بھی عمل میں جہلا اور عوام کی پیروی کرنے لگتے ہیں، دین میں سمجھ بوجھ کے تقاضوں کو ایک طرف رکھ کر عوامی طرزِ عمل کو عالمانہ ذمے داریوں اور ان کی پابندی پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ مصیبت اس وقت پیش آتی ہے جب عالم عوام کے درمیان اپنے مقام اور حیثیت کی حفاظت یا ان میں اپنے مقبولیت میں اضافے کی لیے عوام پسند طرزِ عمل اختیار کر لیتا ہے، اور اپنے آپ کو ان کی خواہشات کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اس صورت میں یہ عالم دینی حقائق کو دنیاوی فوائد کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور حتیٰ کبھی کبھی عوامی طرزِ عمل کی توجیہ اور اپنے مادی فوائد کے لیے دین کو بطور ایک ہتھیار کے استعمال کرتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے عالمِ ربانی کے پہلو بہ پہلو (جو شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں) اس گروہ کا تذکرہ فرمایا ہے، اور انہیں معارفِ دینی کی سمجھ بوجھ میں ماہر ہونے کے باوجود اپنے ذاتی مقاصد کے لیے دین سے استفادہ کرنے والا قرار دیا ہے: "اصبت لقناً غیر مأمون علیه، مستعملاً آلة الدین للدنیا"۔ بعض ایسے ذہین جو قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور دین کو دنیا کا آلۂ کار بنا کر استعمال کرنے والے ہیں۔" (نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۴۷)

عوام زدگی کی علامات:

علما کے اندر عوام زدگی کی بلا کو عوام میں پائے جانے والی اس مرض کی علامات اور علما کے درمیان ان علائم کے اثرات کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک حقیقی عالم اپنے عقائد و افکار کو محکم دلائل پر استوار کرتا ہے، جبکہ عوام کے عقائد بے بنیاد اور لغو دلائل پر استوار ہوتے ہیں۔ ایسے عقائد جو علمی بنیاد کے حامل ہوں اور جن کا انتخاب عالمانہ طریقے سے کیا گیا ہو، وہ عالمانہ تنقید اور تحلیل کا سامنا کر سکتے ہیں، جبکہ عوامی عقائد جن کی بنیاد موہومات اور خرافات پر ہوتی ہے، ان میں تنقید کے سامنے ٹھہرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ان عوامانہ عقائد کے حامل شخص کے پاس اسکے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ اپنے عقائد کے اثبات کے لیے خواب وغیرہ جیسے امور کو سند قرار دے، یا اپنے عقائد کو قطعی اور یقینی ظاہر کرنے کے لیے انہیں عقل اور شرع پر مبنی دلائل کی کسوٹی پر پرکھنے سے دور بھاگے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام "حقیقت گریز" ہوتے ہیں اور برہان و منطق سے دور بھاگتے ہیں، اور عوام زدہ عالم بھی حقائق کا سامنا کرنے سے گریز کرتا ہے اور اپنے خیالات کے اظہار کے لیے وہم و خیال کے ماحول کی پناہ لیتا ہے تاکہ موہومات کی تاریکی میں اپنے ناقص مال کے خریدار تلاش کر سکے۔ جبکہ سچے اور حقیقی علما کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے جس کی امیر

المومنین پیروی کرتے ہیں:

''احیلک من ذلک علی معاینه، لا کمن یحیل علی ضعیف اسناده''

''میں اس مسئلے میں تمہیں مشاہدے کے حوالے کر رہا ہوں، نہ اس شخص کی طرح جو کسی کمزور سند کے حوالے کر دیتا ہے۔'' (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۶۵)

عوام کی ایک اور علامت یہ ہے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ ماحول کا اثر قبول کر لیتے ہیں، اور نہایت آسانی کے ساتھ فضا سازی اور مختلف نظریات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ عوام میں خود سے کوئی ارادہ اور استقلال نہیں پایا جاتا، وہ ہوا کے رخ پر چلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ہمیشہ تابع ہوتے ہیں اور اُن کی رائے اور طرز عمل شور وغل اور نعرے بازی کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے فیصلوں کے منتظر رہتے ہیں۔ لہٰذا عوام سے پیش قدمی، خلاقیت اور جدت طرازی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ عوام اور عوام زدہ افراد کی صورتحال تو یہ ہوتی ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

''همج رعاع اتباع کل ناعق یمیلون مع کل ریح''۔ ''عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۱۴۷)

ایسا عالم جو اپنے آپ کو عوام بنا ڈالے اور اُن ہی کی طرح سوچنے لگے، وہ مقتدا اور پیشوا کا کردار چھوڑ کر مقتدی اور پیروکار کا کردار قبول کر لیتا ہے۔ وہ حقیقت کا متلاشی ہونے کی بجائے، عوام پسند باتیں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور جن باتوں کو عوام پسند کرتے ہیں انہیں اپنی خوش بیانیوں سے آراستہ کر کے آب وتاب کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

عوام زدہ عالم کو جہلا کے توہمات اور بے بنیاد تصوارات سے انس والفت ہوتی ہے، اور اپنے دل کی گہرائیوں سے انہی کا معتقد ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقی اور سچا عالم حقائق سے انس رکھتا ہے، جن سے جہلا دور بھاگتے ہیں، اور کیونکہ وہ حقیقت کی بصیرت رکھتا ہے اس لیے عوام کے تمایلات اور ان کی ذہنیت کو قبول نہیں کر سکتا۔

''هجم بهم العلم علی حقیقة البصیرة... و انسوا بما استوحش منه الجاهلون''۔

''انہیں علم نے بصیرت کی حقیقت تک پہنچا دیا ہے اور یہ یقین کی روح کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔۔۔ اور ان چیزوں سے انس حاصل کیا ہے جن سے جاہل وحشت زدہ تھے۔'' (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۱۴۷)

لیکن عظیم ترین مصیبت اس وقت رونما ہوتی ہے جب عوام زدگی کا مرض عام ہو جائے، پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے کر مختلف طبقات کو اپنے زیر اثر لے آئے۔ ایسی صورت حال میں عوام زدگی معاشرے کی روح کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، اور اسکے تمام اعضاء وجوارح کو تسخیر کر لیتی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق چلانے لگتی ہے۔ اس صورت میں عوام زدگی ایک شخص کی بیماری نہیں رہتی، جس کا علاج آسان ہوتا ہے، بلکہ کیونکہ عوام زدگی کی طبیعت مختلف افراد اور ہر طبقے میں سرایت کر جاتی ہے، لہٰذا ہر چیز عوامی رنگ و بو اختیار کر لیتی ہے، اور حتیٰ روشن فکری کے دعویدار افراد، اور رہنمائی کے ذمے دار ادارے بھی عوامی انداز میں عمل کرنے لگتے ہیں۔

عوام زدہ معاشرے میں ایک حقیقی عالم کے لیے اظہار خیال

کی گنجائش نہیں رہتی، اور دین سے نابلد جہلا انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام دور جاہلیت کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عالمها ملجم و جاهلها مكرم''۔ ''جہاں عالم کو لگام لگی ہوئی تھی اور جاہل محترم تھا'' (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲)

اس معاشرے میں عالم بھی اپنے آپ کو ممتاز بنانے کے لیے، خود کو عوامی رنگ میں ڈھالنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے سماجی مرتبے اور مقام کی حفاظت کے لیے وہی باتیں دھراتا ہے جو عوام کی زبانوں پر ہوتی ہیں۔

عوام زدہ معاشرے کی ایک اور خصوصیت شخصیات کو بے آبرو کرنا اور صاحبان عقل وخرد سے بے اعتنائی برتنا ہے۔ نہج البلاغہ میں جاہلی معاشرے کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: '' والناس يستحلون الحريم، و يستذلون الحكيم '' ''جب لوگ حرام کو حلال بنائے ہوئے تھے اور صاحبانِ حکمت کو ذلیل سمجھ رہے تھے۔'' (نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۱)

البتہ جس طرح ایک مومن انسان کا عوام زدگی کی بیماری میں مبتلا ہو جانا اور اسکے ایمان کو نقصان پہنچ جانا ممکن ہے، اسی طرح ایک ایمانی معاشرہ اور مومنین کی حکومت بھی اس بلا کا نشانہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا ارکان حکومت میں عوام زدگی کے سرایت کر جانے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے زمانے میں عظیم علماء نے بہادری کے ساتھ عوام زدگی کے خلاف پرچم بلند کیا ہے اور شجاعت اور دیانت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے۔ ان بیدار علما میں سرفہرست امام خمینی علیہ الرحمہ ہیں، جنہوں نے اپنی زعامت اور مرجعیت کے دور میں اس گروہ کے خلاف اپنی حکمتِ عملی سے اس پر عرصۂ حیات تنگ کیا، اس پر براہ راست تنقید اور اعتراض کیا اور اپنے ماننے والوں کو ان سے مقابلے کی دعوت دی۔

امام خمینیؒ جنہوں نے ایک طرف علمائے دین کے تاریخی کردار اور معاشرے میں ان کے ممتاز مقام کی حمایت کے سلسلے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور دوسری طرف کسی صورت علما کی کمزوریوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا، جو بعض علما کے طرزِ فکر اور اندازِ عمل سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ نے کھلے لفظوں میں ان پر تنقید کی۔ وہی امام خمینیؒ جنہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ: ''ایک مراجع اسلام کی اہانت کے نتیجے میں اس شخص (جس نے یہ فعل انجام دیا) اور خدا کے مابین قائم ولایت ٹوٹ جاتی ہے۔'' جب انہوں ہی نے انقلاب اسلامی کے دوران حوزۂ علمیہ نجف اشرف پر سکون اور سکوت کا راج دیکھا تو غضبناک لہجے میں فرمایا: ''مجھے نجف کے ایک ہزار سال سے زائد قدیم حوزے پر افسوس ہے کہ وہ اپنے حیثیت سے محروم ہو رہا ہے۔'' آپ نے انقلاب کے بعد حوزۂ علمیہ کے علما کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''حوزہہائے علمیہ میں جمود پسند اور احمق مقدس نما افراد کا خطرہ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے''

امام خمینیؒ کی یہ باتیں آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کی وجہ بنتی تھیں لیکن آپ معتقد تھے کہ: ''اگر حکمِ خدا کے اعلان اور اسکی اشاعت کی وجہ سے احمق مقدس نما افراد اور بے سواد ملاؤں کے نزدیک میرے مقام و مرتبے کو کوئی نقصان پہنچتا بھی ہے، تو اسکی پروا نہ کرو'' یہی وجہ تھی کہ امام خمینیؒ نے ایک بڑے راز اور اپنے پرانے درد سے پردہ اٹھایا اور اپنی عمر کے آخری مہینوں میں فرمایا: 'تمہارے بوڑھے باپ نے جو خونِ دل ان جمود پسند لوگوں کے

ہاتھوں پیا ہے وہ دوسروں کے ظلم وستم اور سختیوں کے ہاتھوں نہیں پیا'

امام خمینیؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ استاد شہید مطہریؒ نے ہمارے زمانے میں اس مشکل کو حساسیت اور سنجیدگی کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے بیان کیا ہے۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ کا نقطہ نظر اس بنا پر کہ آپ ایک عظیم اسلامی مفکر کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری طرف آپ علمائے دین کے سرسخت مدافع ہیں اور آپ نے کلیات پیش کرنے سے بڑھ کر اس مسئلے کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ وتحلیل کیا ہے اس لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور اس کا کوئی نعم البدل اور مشابہ پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے اپنی کتاب ''نہضتھای اسلامی در صد سال اخیر'' (گزشتہ صدی کی اسلامی تحریکیں) میں موجودہ دور میں شیعہ اور سنی علما کی صورتحال کا موازنہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے کہ:

کیا وجہ کہ ہے کہ دنیائے تسنن میں اصلاح اور استعمار و استثمار کے خلاف جہاد کی زیادہ بات ہونے کے باوجود علمائے اہل سنت کم ہی کسی انقلاب کی قیادت کر سکے ہیں۔ اسکے برعکس علمائے شیعہ نے باوجودیکہ عظیم انقلاب بپا کیے ہیں لیکن بہت کم اس بات پر آمادہ ہوئے ہیں کہ مشکلات اور مسائل کے بارے میں سوچ بچار کریں، اظہار رائے کریں اور ایک اصلاحی منصوبہ پیش کریں۔'' استاد نے وہاں اس سوال کے پہلے حصے کا جواب دیا ہے اور ''علمائے اہل سنت کی (حکام کے ساتھ) وابستگی'' کو اس کا عامل قرار دیا ہے۔ لیکن انہوں نے سوال کے دوسرے حصے کو بغیر جواب دیے چھوڑ دیا ہے اور اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ آخر کیوں شیعہ انقلابی علما اصلاحی افکار کے میدان میں پیچھے رہے ہیں۔ لیکن استاد مطہریؒ نے اس کتاب سے مربوط یادداشتوں میں اس سوال کے دوسرے حصے کا جواب بھی دیا ہے اور 'شیعہ علما کے عوام زدگی'' کو ان کے اصلاحی اقدامات میں رکاوٹ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''شیعہ علما مقتدر ہیں لیکن عوام زدہ ہیں اور علمائے اہل سنت آزاد ہیں لیکن حکام کے خدمتگوار۔ شیعہ تحریکیں عملی اور حکومت مخالف رہی ہیں، جیسے تمباکو کی تحریک، عراق، اصفہان، تبریز، مشہد اور ابھی حال ہی میں قم کی تحریک، جبکہ اہلسنت کی تحریکیں زیادہ تر فکری رہی ہیں جو سید جمال الدین کے زمانے سے ہمارے دور تک کم وبیش جاری ہیں۔۔۔ تقریباً گزشتہ صدی میں تمام اہل اسلامی ممالک میں اصلاحی تحریکیں موجود تھیں۔۔''

شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد کتاب ''مرجعیت وروحانیت'' میں ایک مقالہ تحریر فرمایا، اور اس میں اس تقابل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور ایک عملی نمونے کے ذکر کے ذریعے اپنی حریت فکری اور اجتماعی بصیرت کی نشاندہی کی۔

''شیعہ علما پر کوئی جبر اور پابندی نہیں ہے کہ وہ حکومتوں کی اطاعت کریں، لیکن ان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ عوام کے ذوق اور عقیدے کا خیال رکھیں اور (اپنے بارے میں) ان کے حسن ظن کی حفاظت کریں۔ میں نہیں سمجھتا کہ موجودہ صورتحال میں کسی بھی صورت ایک شیعہ مذہبی پیشوا، خواہ وہ کتنا ہی روشن ضمیر، اصلاح طلب اور مخلص ہو اس فتوے کی طرح کا کوئی فتویٰ دے سکے جو دو سال پہلے شیخ شلتوت نے دیا ہے، جس نے ایک ہزار سالہ طلسم کو توڑ ڈالا ہے اور ان کی طرح بلکہ ان کے اقدام سے بھی انتہائی چھوٹا کوئی قدم اٹھا سکے۔

باب المتفرقات

﴿ہویٰ (خواہش) قرآن وحدیث کی روشنی میں﴾

از کتاب خواہشیں آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی

ہویٰ (خواہش) ایک اسلامی اصطلاح ہے جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ اسلامی تہذیب میں اسکے اپنے ایک خاص معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں۔

یہ لفظ قران اور احادیث میں کثرت سے استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ارایت من اتخذ الٰهه هواه افانت تکون علیه وکیلا)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنا لیا ہے کیا آپ اس کی بھی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: (و اما من خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی)

''اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہے تو جنت اس کا ٹھکانا اور مرکز ہے''

سید رضی نے مولائے کائنات حضرت علیؑ کا یہ قول نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے:

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خوف رہتا ہے: خواہشات کی پیروی اور آرزوؤں کا طولانی ہونا''

پیغمبر اکرمؐ اور امام جعفر صادقؑ دونوں سے ہی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ حضرات نے فرمایا:

''اپنی خواہشات سے اسی طرح ڈرتے رہو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ کیونکہ انسان کیلئے خواہشات کی پیروی اور زبان کے نتائج سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہے۔''

امام جعفر صادقؑ ہی سے یہ بھی منقول ہے۔

''نفس اور اسکی خواہشات کو ہرگز یونہی نہ چھوڑ دینا کیونکہ نفسانی خواہشیں ہی اسکی پستی کا باعث ہے''

بنیادی محرکات:

انسانی زندگی میں نفس اور ''خواہشات'' کیا کردار ادا کرتے ہیں اسکے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ خداوند عالم نے ہر انسان کو متحرک وفعال رکھنے اور علم وکمال کی جانب گامزن کرنے کے لئے اسکے وجود میں کچھ بنیادی محرکات رکھے ہیں اور انسان کی تمام ارادی اور غیر ارادی حرکات نیز اسکی مادی و معنوی ترقی انہیں بنیادی محرکات کی مرہون منت ہے یہ چھ محرکات ہیں اور ان میں بھی سب سے اہم محرک ''ہویٰ'' یعنی خواہشات نفس ہے۔

۱۔ فطرت: اس کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنی معرفت نیز وفاء، عفت، رحمت، اور کرم جیسے اخلاقی اقدار کی طرف رجحان کی قوت ودیعت فرمائی ہے۔

۲۔ عقل: یہ انسانی وجود میں حق و باطل کے درمیان تشخیص اور تمیز دینے کی ذمہ دار ہے۔

۳۔ ارادہ: کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا انحصار اسی پر ہوتا ہے اور شخصیت کا استقلال اسی سے وابستہ ہے۔

۴۔ ضمیر: عدل و انصاف پر مبنی اندرونی و باطنی آواز ہے جس کا کام انسان کو صحیح فیصلہ سے آگاہ اور غلط باتوں پر اسکی توبیخ کرنا ہے تا تا کہ انسان حد اعتدال پر قائم رہے۔

۵۔ قلب، صدر: آیات قرآنی کے مطابق علم و معرفت کا ایک اور دروازہ ہے۔ اسی پر خداوند عالم کی جانب سے علم و معرفت کی تجلی ہوتی ہے۔

۶۔ ہویٰ (خواہشیں): وہ خواہشات اور جذبات جو انسان کے نفس میں پائے جاتے ہیں اور ہر حال میں انسان سے اپنی تکمیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کی تکمیل کے دوران انسان لذت محسوس کرتا ہے انسان کو متحرک رکھنے اور اسے علم و معرفت سے مالا مال کرنے کے یہ اہم ترین محرکات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود میں ودیعت فرمایا ہے۔ سر دست ان کی تعداد اور تفصیلات کے بارے میں کسی قسم کی علمی اور تفصیلی گفتگو مقصود نہیں ہے۔

''ہویٰ'' کی اصطلاحی تعریف:

جب ہم اسلامی علوم میں ہویٰ کے معانی تلاش کرتے ہیں تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن میں ہویٰ انسان کے اندر پوشیدہ ان خواہشات اور تمناؤں کو کہا جاتا ہے جو انسان سے اپنی تکمیل کے خواہاں ہوتے ہیں۔

انسان کی شخصیت میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے کیونکہ یہ انسان کو متحرک بنانے اور اسے آگے بڑھانے کا ایک بنیادی سبب نیز اسکی تمام ارادی اور غیر ارادی حرکتوں کی اہم کنجی ہیں۔

''ہویٰ'' کے خصوصیات:

انسانی زندگی کی تعمیر یا بربادی میں اسکی نفسانی خواہشوں کے مثبت اور منفی کردار سے واقفیت کے لئے سب سے پہلے ان کی اہم خصوصیات کو جاننا ضروری ہے لہٰذا ہم آئندہ صفحات میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے خواہشات نفس کے اہم خصوصیات کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ چاہت میں شدت:

اپنی چاہت کی تکمیل میں بالکل آزاد اور بے لگام ہونا انسانی خواہشات کی سب سے پہلی اور اہم ترین خصوصیت ہے البتہ سیر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اس کے مختلف درجات ہیں کیونکہ کچھ خواہشات تو ایسی ہوتی ہیں جن سے کبھی سیری نہیں ہو پاتی اور چاہے جتنا بھی اس کی تکمیل کی جائے اس کی طلب اور چاہت میں کمی نہیں آتی۔ جبکہ کچھ خواہشات ایسی ہیں جو وقت کے ساتھ سرد تو پڑ جاتی ہیں مگر بہت دیر کے بعد۔ مختصر یہ کہ ان تمام خواہشات کے درمیان اعتدال اور توازن کے بجائے شدت طلبی ایک مشترکہ صفت ہے۔

جیسا کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر فرزند آدم کے پاس مال و دولت کی ایک وادی ہوتی تو وہ دوسری وادی کی تمنا کرتا اور اگر اس کے پاس ایسی ہی دو وادیاں ہوتیں تب بھی اس کو تیسری وادی کی تمنا رہتی اور اولاد آدم کا پیٹ مٹی کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں بھر سکتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''اگر آدمی کو سونے کی دو وادیاں مل جائیں تو بھی اسے تیسری وادی کی تلاش رہے گی''

جناب حمزہ بن حمران کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ مجھے جس چیز کی

خواہش ہوتی ہے وہ مجھے مل جاتی ہے تب بھی میرا دل اس پر قانع نہیں ہوتا ہے اور مزید کی خواہش باقی رہتی ہے، لہٰذا مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمایئے جس سے میرے اندر قناعت پیدا ہو جائے اور مزید کی خواہش نہ رہے تو امامؑ نے فرمایا:

''جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اگر وہ تمہیں مستغنی بنا دے تو دنیا میں جو کچھ موجود ہے اس کا معمولی سا حصہ بھی تمہیں مستغنی بنانے کے لئے کافی ہے اور جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اگر وہ بھی تمہیں مستغنی نہ بنا سکے تو پھر پوری دنیا پا کر بھی تم مستغنی نہیں ہو سکتے ہو''۔

امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے:

''اے فرزند آدم، اگر تجھے دنیا صرف اتنی مقدار میں درکار ہو جو تیری ضروریات کے لئے کافی ہو سکے تو اس کا معمولی سا حصہ بھی تیرے لئے کافی ہے اور اگر تجھے وہ چیز بھی درکار ہے جو تیرے لئے ضروری نہیں تو پوری دنیا بھی تیرے لئے ناکافی ہے''

مذکورہ روایات میں خواہشات کی مزید طلب برقرار رہنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ کبھی ان کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے بلکہ ان کی شدت طلب کو بتانا مقصود ہے اور یہ کہ عموماً خواہشات حد اعتدال پر قائم نہیں رہتے۔ ورنہ بعض خواہشات ایسی ہوتی ہیں جو زندگی کے آخری مرحلہ میں بالکل کمزور پڑ جاتی ہیں حالانکہ کچھ ایسی خواہشات بھی ہیں جو انسان کے آخری سانس تک بالکل جوان رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

خواہشات میں تحرک کی قوت:

خواہشات، انسان کی حرکت و فعالیت کا سب سے اہم اور طاقتور ذریعہ ہیں اور ان کے اندر پائی جانے والی قوت متحرکہ کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ خواہشات نفس وہ تنہا سبب ہیں جو جاہلانہ تہذیب و تمدن کو پروان چڑھاتے رہے ہیں اور تاریخی نیز جغرافیائی لحاظ سے یہی جاہلانہ تمدن روئے زمین کے بیشتر حصوں پر حکم فرما رہا ہے۔ اس جاہلانہ تمدن میں فطرت، ضمیر اور عقل کی حکم فرمائی کا سرے سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن یہ طے شدہ ہے کہ اس تمدن کی پیشرفت میں خواہشات ہی سب سے بڑا عامل اور سبب ہیں چاہے وہ جنگ و صلح کے معاملات ہوں یا اقتصاد اور علوم و فنون کے میدان یا دیگر جرائم سب اسی کوکھ سے جنم لیتے رہے ہیں۔

انسانی تاریخ کے بیشتر ادوار میں جاہلیت کی حکم فرمائی دیکھنے کے بعد خواہشات میں پائے جانے والی قوت متحرکہ کی وسعت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جناب زید بن صوحان نے امیر المومنینؑ سے سوال کیا:

(ای سلطان اغلب و اقوی) ''کس بادشاہ کا کنٹرول اور غلبہ سب سے زیادہ ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: (الھوی) ''خواہشات کا''۔

اسی طرح قرآن مجید عزیز مصر کی بیوی کا یہ اقراری جملہ نقل کیا ہے: (ان النفس الا مارة بالسوء الا ما رحم ربی) ''نفس تو برائیوں کی طرف ہی اکساتا ہے مگر یہ کہ جس پر خدا رحم و کرم کردے (وہی اس سے محفوظ رہ سکتا ہے) یہ مختصر سا جملہ انسانی زندگی پر خواہشات کے مستحکم کنٹرول کی ایک مضبوط سند ہے۔

اور امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''خطائیں اور ''خواہشات'' وہ سرکش گھوڑے ہیں جن پر کسی کو سوار کر کے انکی لگام اتار دی جائے اور وہ اپنے سوار کو لیکر جہنم

میں پھاند پڑیں لیکن تقویٰ وہ رام کی ہوئی سواریاں ہیں جن پر صاحبان تقویٰ کو سوار کر کے ان کی لگام انکے ہاتھ میں دیدی جائے اور وہ ان کو جنت میں پہونچادیں''

شمس دراصل شموس کی جمع ہے اور شموس اس سرکش اور اڑیل گھوڑے کو کہتے ہیں جو کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی سوار کا تابع رہتا ہے۔ گویا سوار اسے لگام لگائے بغیر اس پر سوار ہوگیا تو وہ اسکے قابو میں نہیں رہتا اور وہ سوار کو لے اڑتا ہے اور سوار بھی اسے اپنے کنٹرول میں نہیں رکھ پاتا۔ یہی حال خواہشات کا بھی ہوتا ہے جو اپنے اسیر انسان کو ہر طرف لئے پھرتی ہیں اور وہ ان خواہشات کو صحیح جہت نہیں دے سکتا اور ان پر اپنا قابو اسی طرح کھو بیٹھتا ہے جس طرح ایک سرکش گھوڑا بے قابو رہتا ہے۔

اسکے برخلاف تقویٰ انسان کو اسکے خواہشات نفس اور ہوی و ہوس پر قابو رکھنے کی قوت عطا کرتا ہے اور نفس کو اسکا مطیع اور فرمانبردار بنا دیتا ہے جسکے بعد انسان جدھر چاہے انکا رخ موڑ سکتا ہے اور انہیں خواہشات کے ذریعہ وہ جنت میں پہنچ سکتا ہے۔

خواہشات اور لالچ کی بیماری:

طمع اور لالچ خواہشات کی تیسری خصوصیت ہے جس کی بنا پر خواہشات کی طلب میں اور اضافہ ہوجاتا ہے اور اسکی خواہش بڑھتی رہتی ہے۔ جبکہ دیگر مطالبات میں معاملہ اسکے بالکل برعکس ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کسی اور مطالبہ کو پورا کرتا ہے تو اسکی گذشتہ شدت اور کیفیت وکمیت باقی نہیں رہتی بلکہ شدت میں کمی آتی ہے اور سیرابی کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن خواہشات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ان کے مطابق عمل کرتے رہیں تو ان کی طلب میں اضافہ ہوجاتا ہے، ان کی چاہت کا لاوا مزید ابلنے لگتا ہے۔ جسکے بعد دھیرے دھیرے ان پر انسان کا کنٹرول نہیں رہ جاتا لیکن اگر معقول ضابطہ کے تحت، اعتدال کے دائرہ میں رہ کر ان خواہشات کو پورا کیا جائے تو پھر ان کے مطالبات خود بخود سرد پڑ جاتے ہیں اور انسان بخوبی انکے اوپر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

مختصر یہ کہ بالکل آگ کی طرح ہوتی ہیں کہ اس میں جتنی زیادہ پھونک ماری جاتی ہے اسکے شعلے مزید بھڑکنے لگتے ہیں اسکی لپیٹیں اور بلند ہوجاتی ہیں۔ لہٰذا شرعی حدود میں رہ کر مناسب اور معقول انداز میں ان خواہشات کو پورا کرنا ان کو آزاد اور بے لگام چھوڑ دینے سے بہتر ہے کیونکہ اگر بلا قید وشرط ان کی پیروی کی جائے تو ہر قدم پر تشنگی کا احساس ہوتا رہے گا اور خواہشات پر انسان کا اختیار بالکل ختم ہوجائے گا۔

ان دونوں ہی باتوں کی طرف روایات میں اشارہ موجود ہے

۱۔ خواہشات کی بلا قید وشرط تکمیل سے ان کی شدت میں اور اضافہ ہوتا ہے اور ان کے مطالبات بڑھتے ہی رہتے ہیں اور اسکے برعکس اگر صرف شرعی حدود کے دائرہ میں ان کی تکمیل ہو تو سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولائے کائناتؑ نے فرمایا ہے:

''راد الشهوة اقضى لها، و قضائوها أشدلها''

''شہوت اور خواہش کو ٹھکرا دینا ہی اسکے ساتھ بہترین انصاف ہے اور اسکو پورا کرنا اسے مزید بڑھاوا دینا ہے''

یہاں خواہش کو ٹھکرا دینے سے مراد محدود اور معقول پیمانہ پر ان کی تکمیل ہے۔ اور تکمیل سے مراد انہیں بے لگام چھوڑ دینا اور ان کی تکمیل میں کسی قاعدہ وقانون کا لحاظ نہ رکھنا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

باب المتفرقات

فقہ جعفری کیا ہے؟

از نقوش عصمت ذیشان حیدر جوادی

اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ سے پہلے اس شخصیت کی زندگی کا جائزہ لینا ضروری ہے جس کے انتساب سے اس قانون اسلام کو فقہ جعفری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اسم گرامی جعفر ہے، جس کے معنی وسیع نہر کے ہیں۔ آپ کی شخصیت نگاہ قدرت میں ایک دریائے علم ہے جس سے امت اسلامیہ کے تشنگان علم و معرفت کو سیراب ہونا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ دریا اپنے پیاسوں کو سیراب کرنے کیلئے کسی گھاٹ اور کنارے کی شرط نہیں رکھتا ہے جو جس وقت چاہے آجائے اور جس نیت سے آجائے دریا بہر حال سیراب کرے گا۔ اب کوئی اپنی شرارت سے خود ہی ڈوب جائے تو اس کی ذمہ داری دریا پر نہیں ہے۔

صادق آپ کا مشہور ترین لقب ہے جس سے دوست اور دشمن دونوں نے آپ کو یاد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صادق کے صحیح معنی بھی یہی ہیں کہ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے بھی صداقت کا انکار نہ کرسکیں جیسا کہ حضور سرور کائنات کی حیات طیبہ میں دیکھا گیا ہے کہ آپ کے شدید ترین دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور آپ کی صداقت کا انکار نہیں کرسکتے تھے۔

قدرت کا بھی عجیب انتظام تھا کہ تاریخ عصمت کے دو مشہور ترین صادق دونوں کو ایک ہی تاریخ میں اس دنیا میں بھیجا رسول اکرم کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول اور امام جعفر صادق کی تاریخ ولادت بھی ۱۷ ربیع الاول ہے۔

گویا ۱۷ ربیع الاول کی تاریخ وہ مبارک تاریخ تھی کہ کائنات کا ہر مژدہ صداقت اسی تاریخ کو سنایا گیا اور دنیا کے مانے ہوئے صادقین اسی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے تو اب مجھے کہنا پڑتا ہے کہ "کونوا مع الصادقین" تلاش کرنا چاہتے ہو تو ۱۷ ربیع الاول کی سحر پر نظر کرو صداقت کے نمونے نظر آجائیں گے اور پھر اسی معیار پر باقی صادقین کو تلاش کر لینا۔

نقشہ زندگانی:

امام صادق علیہ السلام کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو ہوئی اور آپ کی شہادت کی تاریخ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ہے یعنی آپ نے اس دنیا میں تقریباً ۶۵ سال گزارے ہیں جو تمام معصومین میں سب سے زیادہ عمر ہے کہ اب تک جو معصومین دنیا سے جا چکے ہیں ان میں امام صادقؑ سے زیادہ کوئی اس دنیا میں نہیں رہا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی معصوم اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا۔ اور جسے جس قدر زندہ رہنے کا موقع دیا گیا وہ اسی قدر اس دنیا میں زندہ رہا اور جب زہر دغا یا شمشیر جفا کا نشانہ بنا دیا گیا تو رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کیے ہوئے دنیا

سے رخصت ہوگیا امام زمانہ کی طول عمر کا راز بھی یہی ہے کہ آپ اہل دنیا کی دسترس سے دور ہیں ورنہ یہ اہل زمانہ آپ کو بھی زندہ نہ رہنے دیتے قدرت کو حجت آخر کو باقی رکھنا تھا اس لیے آپ کو حجاب غیب میں بچا کر رکھا اور دنیا پر واضح کر دیا کہ ہم جسے بچانا چاہتے ہیں اسے کوئی مٹا نہیں سکتا ہم فرعون کے قصر میں موسیٰ کو بچا سکتے ہیں اور فرعون عصر کے درمیان حجت آخر کا تحفظ کر سکتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے زندگی کے ۱۲ سال اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ کے ساتھ گزار ۹۵ھ میں امام زین العابدین کی شہادت ہوگئی تو آپ اپنے والد محترم کے ساتھ رہے۔ ۱۱۴ھ میں امام محمد باقرؑ کی شہادت ہوگئی تو امت مسلمہ کی مکمل ذمہ داری آپ کے سر عائد ہوگئی اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۰ برس کے قریب تھی اور بنی امیہ اور بنی عباس کی جنگ اقتدار شروع ہو چکی تھی۔ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کا چراغ گل ہوا اور بنی عباس "حمایت حق آل محمدؐ" کے نام پر برسر اقتدار آگئے۔ امام کی زندگی کے منصبی دور میں ۱۸ سال بنی امیہ کی حکومت رہی اور ۱۵ سال بنی عباس کا اقتدار رہا اور پوری زندگی کا حساب لگایا جائے تو آپ کی حیات میں دس بنی امیہ کے بادشاہوں نے حکومت کی اور دو بنی عباس کے بادشاہ رہے ایک سفاح جو ختم ہوگیا اور دوسرے منصور جس نے آپ کو زہر دغا سے شہید کیا۔

امامت اور سیاست:

امامت کی زندگی کا یہ قابل لحاظ مرقع ہے کہ آپ کی زندگی میں حکومت نے بارہ پلٹے کھائے اور اس طرح کہ ایک مکمل اقتدار کا تاج و تخت پامال ہوگیا اور دوسرے کے سر پر تاج رکھ دیا گیا اور سب کی کوشش یہی رہی کہ کسی طرح آپ کو شکست دے دی جائے اور آپ کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے لیکن بارہ قلا بازیاں کھانے کے بعد بھی حکومت اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکی اور امامت اپنے خدمات میں مصروف رہی اور دنیا کو آواز دیتی رہی کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ امام سیاست سے بے خبر ہوتا ہے آئیں اور آ کر دیکھیں کہ اہل سیاست کس طرح شکست کھا رہے ہیں اور امامت کس طرح فتح مبین حاصل کر رہی ہے۔

حکومتوں کے ان انقلابات میں ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب امام کو تخت و تاج کی پیش کش کی گئی اور بنی عباس کے کمانڈران چیف نے چاہا کہ حمایت آل محمدؐ کے دعویٰ کی توثیق کیلئے امام کو ساتھ لے لیا جائے لیکن آپ نے واضح لفظوں میں انکار کر دیا اور بتایا کہ میں انجام کار سے باخبر اور نیتوں سے آگاہ ہوں مجھے حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر خاندان میں کوئی شخص قیادت امت کے لیے بھی تیار ہوا تو اسے بھی متنبہ فرما دیا کہ اس انقلاب کا انجام اچھا نہیں ہے اس سے کنارہ کش رہنا ہی مناسب ہے۔

ایسے ہی مواقع کو دیکھ کر اکثر سادہ لوح افراد یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ آل محمد کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں رہا اور انہوں نے ہمیشہ اپنے کو حکومت دنیا سے الگ رکھ کر فقط فکر آخرت کی ہے اور عبادتوں میں زندگیاں گزاری ہیں۔ استعماری طاقتوں نے اس خیال کو اور بھی رائج بنا دیا ہے تاکہ آل محمدؐ کے باشعور پرستار حکومت سے غافل ہو جائیں اور استعمار کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا موقع مل جائے، حالانکہ تاریخ کا ادنیٰ مطالعہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ مرسل اعظمؐ یا ان کے اہل بیت طاہرین نے کبھی ح

کومت سے کنارہ کشی نہیں کی اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ دنیا میں حکومت الہٰی قائم ہو جائے اور تباہی کے راستے پر جانے والی دنیا سیاست الہیہ کے راستے پر چل پڑے اسلام میں پہلی حکومت سرکار دو عالمؐ ہی نے قائم کی ہے۔ جہاں مکمل طور پر اس کے احکام چلتے تھے اور آپ پوری مملکیت کا انتظام فرماتے تھے اس کے بعد مولائے کائنات نے بھی مختصر سے وقفے میں ملنے والے موقع کو نظر انداز نہیں کیا اور اپنے امکان بھر حکومت الہٰی کے قیام کی کوشش کرتے رہے اور خود ہی ارشاد فرمایا کہ ''ہماری حکومت کا مقصد قیام حق اور دفاع باطل ہوتا ہے ہم اہل ہوس نہیں ہیں لیکن حکومت سے الگ ہونا بھی نہیں چاہتے'' ہاں جب آل محمدؐ نے دیکھا کہ حکومت ہمارے نام کو استعمال کرنا چاہتی ہے اور ہم اس کی روش کو تبدیل نہیں کر سکتے تو علیحدگی اختیار کر لی اور عدم تعاون کی مکمل پالیسی کا اعلان کر دیا تا کہ ان کے نام کا غلط استعمال نہ ہو سکے اور ان کی شرکت کو حکومت کے اسلامی ہونے کی دلیل نہ بنایا جا سکے۔

قیام حکومت امامت کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے جب بھی اس کے حالات پیدا ہو جائیں گے امام حکومت ضرور قائم کرے گا اور سیاسی مسائل کو اپنے ہاتھوں میں لے لے گا اور جب اس کے حالات سازگار نہ ہوں گے تو بھی کنارہ کش ہو کر حجرے میں نہیں بیٹھے گا بلکہ اس کی پالیسیوں کی کڑی نگرانی کرتا رہے گا اور حتی الامکان اس کی رہنمائی تنقید یا مقاطعہ سے کنارہ کشی نہیں کرے گا امام زین العابدینؑ نے اپنے گریہ مسلسل کے درمیان تنقید سے کام لیا امام محمد باقرؑ نے بھی تنقید فرمائی امام جعفر صادقؑ اور اس کے بعد کے آئمہ معصومینؑ میں واضح طور پر مقاطعہ کی پالیسی اختیار کی اور حکومت کی ملازمت بلکہ اس کے ہاتھ سامان کرایہ پر دینے کی بھی ممانعت کر دی اور امام موسیٰ کاظمؑ نے صفوان جمال سے یہاں تک فرما دیا کہ جب تم اپنے اونٹ حکومت کو مع کرایہ پر دیتے ہو تو تمہارا دل چاہتا ہے کہ کرایہ دار اس وقت تک زندہ رہے کہ اونٹ مع کرایہ کے واپس آ جائیں۔ یاد رکھو ظالم کیلئے حیات کی تمنا کرنا یہ بھی اعانت ظلم ہے اور میں اپنے چاہنے والوں کیلئے اتنی مقدار میں اعانت بھی برداشت نہیں کر سکتا ظاہر ہے کہ یہ کسی کنارہ کش کا انداز نہیں ہے یہ ایک 'ناقد بصیر' کا کردار ہے جو امام موسیٰ کاظمؑ نے انتہائی سختی کے دور میں بھی اختیار فرمایا اور اس سے پہلے امام محمد باقرؑ نے فرمایا تھا کہ جب بھی کوئی روز عید آتا ہے تو ہم آل محمدؐ کے حزن و غم میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے حق کو غیروں کے ہاتھوں میں دیکھتے ہیں اور منبر رسولؐ پر نااہلوں کے خطبوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ ارشادات واقوال اس بات کی دلیل ہیں کہ امامت کے فرائض سیاست سے الگ نہیں ہیں اور ہر امام نے اپنے دور میں بقدر امکان سیاسی مسائل میں مداخلت کی ہے اور جہاں حالات سازگار نہیں رہے وہاں بھی تنقید سے کنارہ کشی نہیں فرمائی امامت کو سیاست سے الگ کر دینے کی پالیسی استعمال کی ہے جو اہل دین و دیانت کو حکومت سے بے دخل کر کے اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں جو کام کل کے حکام بزور طاقت کر رہے تھے وہ آج کے استعماری ذہن بزور فلسفہ انجام دے رہے ہیں۔

حقیقت فقہ:

اس تمہید کے بعد فقہ سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوتا ہے:

فقہ کے معنی عربی زبان میں فہم اور سمجھ کے ہیں قرآن مجید

میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے "لکن لا تفقہون تسبیحہم" کائنات کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے لیکن تمہیں ان کی تسبیح کا فقہ و فہم نہیں ہے۔

علماء کی اصطلاح میں فقہ دین کے مسائل کے تفصیلی اور استدلالی علم کا نام ہے اس کی دو قسمیں ہیں: فقہ اکبر جسے آج کی زبان میں علم کلام کہا جاتا ہے اور فقہ اصغر جسے علم فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علم فقہ اسلام کے فروعی احکام کے تفصیلی دلائل کو جاننے کا نام ہے اور فقہ عرف عام میں انہیں احکام کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔

فقہی مدارک:

اسلام کے مکاتب فقہ میں دو بنیادیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں ایک کتاب خدا اور ایک سنت رسول کہ انہیں کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان نے احکام کا مدرک تسلیم کیا ہے قران کی تفصیل وتاویل میں لاکھ اختلاف ہو سنت کی تعبیر وتشریح میں کسی قدر اختلاف کیوں نہ ہوں لیکن کتاب وسنت مدرک احکام ہیں اس کے بعد بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے۔

ایسے مسائل بے شمار ہو سکتے ہیں اس لیے کہ حضور سرور کائناتؐ کے دور میں زندگی محدود اور سادہ تھی، اس وقت اس قدر پیچیدہ مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے آپ کے بعد فتوحات اور توسیع دائرہ حکومت کے زیر اثر اور دیگر اقوام سے اختلاط کے نتیجے میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے اور زندگی کا انداز بالکل تبدیل ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان مسائل کا حل کیا ہوگا اور اس کے بارے میں کیا قانون بنایا جائے گا؟

اس سلسلے میں ایک مدرسہ فکر یہ ہے کہ سرور کائنات کو ان حالات کا علم تھا اور آپ جانتے تھے کہ امت میں ایسے مسائل پیدا ہوں گے اور امت کو ان مسائل کے حل کی ضرورت پڑے گی اس لیے آپ نے جاتے جاتے امت کو قرآن اور اہل بیت کے حوالے کر دیا تاکہ نئے مسائل قرآن مجید میں نہ مل سکیں تو ان کو حل کرنے کیلئے اہل بیت موجود ہیں اور پروردگار نے اہل بیت کے سلسلہ کو دائمی اور ابدی بنا دیا کہ کوئی دور ایسا نہ آئے جب مسائل پیدا ہوں اور حلال مسائل نہ ہوں، مشکلات ہوں اور کوئی مشکل کشا نہ ہو۔

لیکن دوسرے مکتب فکر نے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا اور حضورؐ کے سامنے "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اپنے کو اہل بیت سے الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسبنا کام نہ آیا اور ایسے مسائل پیدا ہو گئے جن کا حل قرآن مجید بلکہ سنت پیغمبر میں بھی نہیں مل سکا ایسے وقت میں تمام لوگ مجبور ہوئے کہ قیاس کا دامن پکڑا جائے اور اپنی عقل کے سہارے احکام سازی کا کام شروع کیا جائے۔

مولانا شبلی نے اس طرز عمل کو امت اسلامیہ پر حضرت عمر کا بہت بڑا احسان قرار دیا ہے کہ انہوں نے اس راستہ کی طرف راہنمائی کر دی ورنہ امت کے پاس مسائل کا کوئی حل نہ ہوتا اور سچی بات یہ ہے کہ یہ کام انہیں کو کرنا بھی چاہیے تھا اس لیے کہ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھی انہوں نے دیا تھا اور اہل بیت سے کنارہ کشی کی بنیاد بھی انہوں نے ڈالی تھی۔

فرق یہ ہے کہ مدینہ میں "مدرسہ قیاس" زیادہ کامیاب نہ ہو سکا کہ وہاں کی زندگی پھر بھی سادہ تھی اور مسائل زیادہ نہ تھے۔ وہاں کے لوگوں نے زیادہ کام احادیث سے چلایا اور وہاں کے

مدرسہ کو اہل حدیث کا مدرسہ کہا گیا۔ اس کے برخلاف عراق کے مسائل عجم کی فتوحات کی بناء پر بے حد پیچیدہ ہو گئے تھے اور وہاں قیاس کی بے حد ضرورت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کا مدرسہ فکر مدرسہ رائے و قیاس ہو گیا۔ ادھر حکومتوں کی کشمکش کا بھی آغاز ہو گیا بنی امیہ اور بنی عباس کی جنگ نے قومیت کا روپ دھار لیا۔

بنی امیہ کی پشت پر عرب رہے اور بنی عباس کی حمایت عجم نے کی اور اہل حدیث و اہل قیاس کا جھگڑا حجاز و عراق میں تبدیل ہو گیا۔ حجاز اہل حدیث کے ہاتھوں میں چلا گیا اور عراق اہل قیاس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ امام مالک کو اہل حدیث کا امام کہا جانے لگا اور امام ابوحنیفہ کو اہل قیاس کا امام بنا دیا گیا۔ حالانکہ علماء کے اعداد و شمار کے مطابق امام مالک کے یہاں قیاس کی مقدار امام ابوحنیفہ سے بھی زیادہ ہے لیکن سیاسی تقسیم میں وہ حجاز کے حصہ میں آئے اور یہ عراق کے حصے میں آ گئے۔

ایک ایسے معرکہ آراء دور میں جب اہل حدیث اور اہل قیاس۔ بنی امیہ و بنی عباس اور حجاز و عراق کی جنگ چل رہی تھی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تیسری آواز بلند کی اور امت کو ایک نئے راستہ کی ہدایت کی، اسی رستہ کو فقہ جعفری سے تعبیر کیا جاتا ہے امام علیہ السلام نے اس ہنگامی دور میں ضروری سمجھا کہ اپنی آواز کو حجاز و عراق دونوں جگہ عام کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا مدرسۂ فقہ مدینہ میں بھی تھا اور کوفہ میں بھی۔ کوفہ میں تو آپ کا مدرسہ اتنا عظیم تھا کہ اس میں چار ہزار افراد زیر تعلیم تھے اور یہ معمولی صلاحیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے جید علماء تھے جن میں سے بہت سے بعد میں مدعی امامت بھی ہو گئے۔ علی بن محمد وشاء کا بیان ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں ۹۰۰ حلقے دیکھے جن کے اساتذہ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ علوم حضرت جعفرؑ بن محمد کی دین ہیں اور ہم سے انہوں نے بیان کیے ہیں۔

ایسے حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد فقہ جعفریہ کی برتری کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ فقہ اہل بیت کرامؑ کی فقہ ہے امام صادقؑ کی طرف انتساب تو صرف حالات کی بناء پر ہے کہ جس قدر احکام آپ نے بیان فرمائے ہیں اتنا موقع کسی دوسرے امام کو نہیں مل سکا۔ ورنہ اس فقہ میں تمام معصومینؑ کے ارشادات شامل ہیں اور اہل بیت کرامؑ سے تمسک اپنی پسند کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حکم خدا و رسولؐ ہے جسے "کونوا مع الصادقین" اور حدیث ثقلین میں بیان کیا گیا ہے ہم نے نبی کو نبی اس لیے مانا ہے کہ جس خدائے وحدہ لاشریک کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے اس نے انہیں نبی بنایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جو رسول تمہارے حوالے کر دے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ رسولؐ کے بعد اہل بیت اطہارؑ کو بھی ان کے دعویٰ کی بناء پر تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ حدیث ثقلین کی بناء پر تسلیم کیا ہے اعلان غدیر کی بناء پر تسلیم کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کے قول و عمل کے اشاروں کی بناء پر تسلیم کیا ہے تو اب فقہ اہلبیتؑ کا تسلسل یہ ہے کہ تقاضائے عقل و فطرت کی بناء پر خدا کو مانا اور حکم خدا کی بناء پر رسولؐ کو مانا اور حکم رسولؐ کی بناء پر اہل بیتؑ کو مانا تو جب سلسلہ اطاعت و مذہب اوپر سے چلا تو بھی اہل بیتؑ پر آ کر رکا۔ ان کے علاوہ مرسل اعظمؐ نے کسی فقیہ یا امام مذہب کو واجب الاطاعت نہیں قرار دیا اور نہ اس کے قول و فعل کی ضمانت لی ہے اور یہی سلسلہ جب نیچے سے امت کی طرف سے چلا تو ساری امت میں چار فقیہ برتر قرار دیے گئے کہ ان کا علم ان کی فقاہت اور دینی بصیرت کا جواب نہیں ملا ہے اور جب ان

چاروں کا جائزہ کیا گیا تو امام احمد بن حنبل امام شافعی کے تابع نظر آئے۔ امام شافعی، امام مالک کا اتباع کرتے ہوئے دکھائی دیے اور امام مالک و امام ابوحنیفہ جو اہل حدیث اور اہل قیاس کی جماعت کے سربراہ اور حجاز و عراق کے مرجع مسلمین تھے دونوں امام جعفر صادقؑ کے شاگرد نظر آئے تو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا تقاضائے دانشمندی نہیں ہے۔

بعض متعصب اہل نظر نے اس قول کی صداقت میں شبہ کیا اور یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادقؑ سے تین برس بڑے تھے اور ان کے باقاعدہ ہم عصر تھے لہٰذا ان کی شاگردی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان بے چاروں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ استادی سن و سال سے نہیں طے ہوتی ہے، علم اور قابلیت سے طے ہوتی ہے۔ جناب آدمؑ نے ملائکہ کو وہ سب کچھ بتادیا جو انہیں نہیں معلوم تھا حالانکہ ملائکہ جناب آدمؑ سے عمر میں بہت بڑے تھے۔

امیر المومنینؑ نے خلفائے وقت کو اتنا بتایا اور سکھایا کہ خود حضرت عمر نے فرمایا کہ ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا'' حالانکہ وہ عمر میں جناب امیرؑ سے بڑے تھے۔ استفادہ علمیہ کیلئے سن و سال کا حساب نہیں کیا جاتا۔ صلاحیت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ علامہ شبلی نے اس مقام پر نہایت حسین بات فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شبہات صرف تعصب کی پیداوار ہیں اور دیانت و انصاف کے خلاف ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ نہایت درجہ لائق و قابل و دانشمند تھے لیکن وہ جعفر بن محمد جیسے نہیں ہوسکتے۔ امام ابوحنیفہ باہر کے آدمی ہیں اور امام جعفر صادقؑ اہلبیتؑ میں سے ہیں اور اہلبیتؑ گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں جو کچھ امام جعفر صادقؑ اور ابوحنیفہ کے بڑے میں ارشاد فرمایا ہے اسی نکتہ کی روشنی میں صدر اسلام کا فیصلہ کیوں نہیں کیا اور مذکورہ معاملہ میں اس نکتہ کو کس طرح فراموش کر گئے کہ حضرت ابوبکر باہر کے آدمی ہیں اور جناب فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ ہیں۔ پیغمبرؐ کی حدیث کو جس طرح وہ جان سکتی ہیں دوسرا کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

بہرحال امام جعفر صادقؑ سے ارتباط اور فقہ جعفریہ سے تمسک دونوں قسم کی سیر عملی کا نتیجہ ہے۔ تلاش علم میں اوپر سے چلیں تو امام جعفر صادقؑ اہل بیت کے فرد کی حیثیت سے نبی اکرمؐ کے مقرر کردہ مرجع مسلمین قرار پاتے ہیں اور تلاش ہدایت میں ادھر سے چلیں تو امام جعفرؑ باقی آئمہ مذاہب کے استاد نظر آتے ہیں اور استاد کے ہوتے ہوئے شاگرد پر اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

یہ امت اسلامیہ کی بدقسمتی ہے کہ ارباب حدیث نے ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے بھی امام جعفر صادقؑ سے انحراف کیا اور امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی کی روایت کو درج کرنے کے باوجود امام جعفرؑ کی روایت کو بخاری میں جگہ دینے کے قابل نہیں سمجھا۔ کیا یہ صریحی ظلم اور علمی خیانت نہیں ہے اور جب خواص ایسی خیانت کر سکتے ہیں تو عوام سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ وہ تو اتنی بڑی کتاب حدیث میں امامؑ کا نام بھی نہیں دیکھتے۔ انہیں کیا معلوم کہ امامؑ کی شخصیت اور ان کی علمی جلالت کیا ہے۔

باب المتفرقات

حضرت ابوطالبؑ کی فداکاری پر ایک نظر

از: کتاب سیرت النبی آیت اللہ جعفر سبحانی

قریش کے سرداروں نے جناب ابوطالبؑ کے گھر میں ایک اجلاس بلایا۔ جس میں حضرت رسولؐ اکرم بھی موجود تھے۔ ان کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ قریش کے سردار اس اجلاس میں اپنا مطلب حاصل نہ کر سکے۔ آخر کار طیش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ واپس چلے جائیں۔ اس وقت عقبہ بن ابی معیط با آواز بلند کہہ رہا تھا:

''لا نعود الیہ ابداً و ما خیر من ان لقتال محمد''۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، پند و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم محمدؐ کو قتل کر دیں اور ان کی زندگی کا خاتمہ کر کے رکھ دیں۔

حضرت ابوطالب اس جملہ کو سن کر سخت بے تاب ہو گئے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔ وہ ان کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے آئے تھے۔ اتفاق سے رسولؐ اکرم اسی دن گھر سے باہر گئے تو پھر گھر لوٹ کر نہ آئے۔ مغرب کے وقت رسولؐ اکرم کے چچا آپؐ کے گھر میں گئے۔ آپ کو وہاں نہ پایا تو چند گھنٹے پہلے کی بات یاد آ گئی۔ آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ضرور انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا ہے اور ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

دل میں سوچا کہ اب تو کام ہو چکا ہے، مجھے مکہ کے ان فرعونوں سے اپنے بھتیجے کا انتقام لینا چاہیئے۔ آپ نے تمام بنی ہاشم و اولاد عبدالمطلب کو اپنے گھر بلایا۔ انہیں حکم دیا کہ ہر ایک تیز ہتھیار لے کر اپنے کپڑوں میں چھپا لے۔ سب اکٹھے ہو کر مسجد الحرام میں داخل ہوں، ان میں سے ہر ایک قریش کے ایک ایک سردار کے سر پر کھڑا ہو جائے۔ جب ابوطالبؑ کی آواز بلند ہو: ''یا معشر قریش ابغی محمداً'' اے قریش! میں تم سے محمدؐ چاہتا ہوں، تو اس وقت تم اٹھ کھڑے ہو اور جس شخص کے پہلو میں تم بیٹھے ہو، اس پر ٹوٹ پڑو، اس طرح وہ سب قتل ہو جائیں گے۔

حضرت ابوطالبؑ جانے کے لیئے تیار تھے کہ اچانک زید بن حارثہ گھر میں آیا۔ اس نے ان کو تیار دیکھا تو حیرت سے ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کہا: ''رسولؐ خدا کو کوئی ضرر نہیں پہنچا ہے۔ آنحضرتؐ ایک مسلمان کے گھر میں تبلیغ میں مصروف ہیں''۔ اس نے یہ کہا اور فوراً حضور کی طرف دوڑتا ہوا گیا۔ حضور کو جناب ابوطالبؑ کے خطرناک اقدام کرنے سے مطلع کیا۔ حضورؐ نے بجلی کی سی تیزی سے خود کو گھر پہنچایا۔ جناب ابوطالب کی نظر اپنے بھتیجے کے دلکش اور غمگین چہرہ پر پڑی۔ اس عالم میں کہ محبت کے آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''این کنت یا ابن اخی اکنت فی خیر؟'' میرے

بھتیجے کہاں رہے؟ کیا اس عرصہ میں تم غم واندوہ سے دور خوش وخرم رہے ہو؟ پیغمبر اکرمؐ نے چچا کو جواب دیتے ہوئے کہا: ”مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا ہے“

جناب ابوطالبؑ اس رات کو رات بھر فکر واندیشہ میں کروٹیں بدلتے رہے۔ کہتے تھے: ”اگرچہ آج میرا بھتیجا دشمن کا نشانہ نہیں بنا ہے لیکن قریش جب تک اسے قتل نہیں کرلیں گے، آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ آپ نے بہتری اس میں دیکھی کہ کل سورج چڑھنے کے بعد، جب قریش کی محفل گرم ہوگی، بنی ہاشم واولادِ عبدالمطلب مسجد الحرام میں آجائیں اور انہیں آپ نے کل کے ارادہ سے آگاہ کریں تاکہ ان پر رعب پڑ جائے۔ اس کے بعد وہ محمدؐ کے قتل کے ارادہ سے باز آجائیں گے۔

سورج کسی قدر بلند ہو چکا تھا۔ وقت یہ تھا کہ قریش اپنے گھروں سے روانہ ہو کر کعبہ کی محفل میں آجائیں۔ ابھی وہ گفتگو شروع نہیں کر پائے تھے کہ دور سے ابوطالبؑ نمودار ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بہادر دلاور جوان ان کے پیچھے آرہے ہیں۔ تمام قریش اس طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے ہاتھ پاؤں سنبھالے اس کے منتظر تھے کہ دیکھیں ابوطالبؑ کیا کہتے ہیں اور کس مقصد کی خاطر اس جماعت کے ساتھ مسجد الحرام میں آئے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ ان کی محفل میں کھڑے ہوگئے، کہا: ”کل کچھ وقت کے لئے محمدؐ ہماری نظروں سے غائب ہوگئے تھے۔ میں نے گمان کیا تھا کہ تم نے عقبہ کی بات پر چلتے ہوئے ان کو قتل کردیا ہے۔ اس لئے میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ میں انہی جوانوں کے ساتھ مسجد میں آؤں۔ میں نے ہر ایک کو حکم دے دیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کے پہلو میں ایک ایک بیٹھ جائے۔ جب میری آواز بلند ہو تو سب ایک ہی وقت میں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوں، اپنے پوشیدہ ہتھیاروں سے تمہیں قتل کردیں۔ جناب ابوطالبؑ نے آخر میں کہا:

”واللہ لو قتلتموہ منکم احد حتی تتفانی نحن و انتم“ ”خدا کی قسم! اگر تم اسے قتل کرتے تو میں تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ آخری طاقت تک میں تم سے جنگ کرتا“۔

(طبقات کبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۔ طرائف، ص ۸۵۔ الحجۃ، ص ۶۱)

قارئین محترم! آپ حضرت ابوطالبؑ کی تاریخ زندگی کے صفحات پر ایک نظر کریں تو یہ حقیقت ابھر کر آپ کے سامنے آجائے گی کہ آپ نے بیالیس سال تک پیغمبر اکرمؐ کی بھرپور مدد کی۔ خصوصاً آخری دس سالوں میں جب پیغمبرؐ اکرم رسالت پر مبعوث ہوئے۔ چاروں طرف سے مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو یہی شخصیت تھی جس نے پیغمبرؐ اسلام پر بے حد جانبازی و فداکاری دکھائی۔ وہ واحد سبب جس نے ان کو اس حد تک پائیدار و استوار بنا رکھا تھا، وہ ان کا پیغمبرؐ اسلام کے مقدس دین کی نسبت پختہ ایمان وایقان تھا۔ اگر ان کے فرزند علیؑ کی خدمات کو باپ کی خدمات کے پہلو میں رکھ کر دیکھا جائے تو ذیل کے اشعار جو ابن ابی الحدید نے کہے ہیں، ان سے ان کی حقیقت روشن ہوجاتی ہے:

و لولا ابوطالبؑ و ابنہ
لما مثل الدین شخصا و قاما
فذاک بمکۃ آوی و حامی
و ھذا بیثرب الحماما

”اگر ابوطالبؑ اور اس کے فرزند نہ ہوتے تو، ہرگز دینِ اسلام سیدھا کھڑا نہ ہو پاتا۔ انہوں نے مکہ میں پیغمبرؐ کو پناہ دی

اور حمایت کی اور ان کے فرزند نے یثرب (مدینہ) میں موت کے گردابوں میں خود کو ڈال کر اسلام کو بقا دی"۔

ایمانِ ابوطالبؑ کی بنیاد محض سیاسی ہے:

اس امر میں ذرا بھر شک و شبہ نہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کے ایمان و اسلام پر جو گواہ اور شواہد ہم رکھتے ہیں، اگر ان گواہیوں کا دسواں حصہ بھی کسی ایسے آدمی کے بارے میں پیش کیا جاتا جو دامنِ سیاست سے دور ہوتا، جس سے کسی کو دشمنی اور بغض نہ ہوتا تو سب سنی و شیعہ متفقہ طور پر اس کے اسلام و ایمان کی تصدیق کرتے۔ لیکن کیا سبب بنا کہ آپ کے ایمان پر بیسیوں محکم گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک گروہ نے ان کی تکفیر کی ہے۔ ان کے کفر و عذاب کا فیصلہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بعض آیات جن میں عذاب کی وعید ہے، ان کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک گروہ نے ان کے بارے میں توقف کیا ہے، اہلِ سنت کے چند علماء جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، انہوں نے آپ کے اسلام و ایمان کا فیصلہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک "زینی دحلان مفتی" متوفی ۱۳۴۸ھ ہیں۔ لیکن انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے صرف فرزند ابوطالب خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ پر طعن کرنا مقصود ہے۔

اہلِ سنت کے بعض علماء نے اس لئے کہ حضرت ابوطالبؑ کی بہتر طور پر تکفیر کر سکیں، انبیاء کے باپوں کو بھی کفر کے فتویٰ کی لپیٹ میں لیتے ہوئے حضرت رسولِ اکرمؐ کے ماں باپ کو غیر مومن قرار دیا۔

ایمانِ ابوطالبؑ کے دلائل:

ہر شخص کے اندازِ فکر و عقیدہ کو ہم ذیل کے تین طریقوں سے معلوم کر سکتے ہیں:

۱۔ اس کے علمی و ادبی آثار جو اس سے یادگار کے طور پر رہ گئے ہیں:

۲۔ معاشرہ میں اس کا طرزِ عمل اور کردار

۳۔ اس کے بارے میں اس کے بے لوث دوستوں اور اقرباء کا نقطۂ نظر۔

ہم حضرت ابوطالبؑ کے عقیدہ و ایمان کو مذکورہ راہوں سے ثابت کر سکتے ہیں۔

ان کے اشعار ادبیات ان کے خلوص و ایمان پر مکمل گواہی دیتے ہیں۔ اپنی عمر کے آخری دس سالوں میں ان کی گرانقدر خدمات ان کے حقوق العباد ایمان کے محکم گواہ ہیں۔ ان کے بے لوث اقرباء کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ ایک مسلمان و صاحبِ ایمان شخصیت تھے۔ ہرگز ان کے اقرباء اور دوستوں میں سے کسی شخص نے ان کے اخلاص و ایمان کی تصدیق کے سوا کوئی چیز نہیں کہی ہے۔ اب ہم اس موضوع پر مذکورہ بالا تین طریقوں میں سے ایک پر گہری و تحقیقی نظر ڈالتے ہیں:

حضرت ابوطالبؑ کے علمی و ادبی آثار:

ہم آپ کے طولانی مقاصد میں سے چند قطعات انتخاب کر کے مطلب کے روشن کرنے کے لئے ان کا ترجمہ بھی پیش کئے دیتے ہیں:

لیعلم خیار الناس ان محمداً نبی کموسی و المسیح بن مریم
اتانا بهدی مثل ما اتیابه فکل با مر الله یهدی و یعصم

شریف و فہمیدہ اشخاص جان لیں کہ محمدؐ موسیٰ و عیسیٰ کی مانند پیغمبر ہیں۔ وہی آسمانی نور جو یہ دو پیغمبر رکھتے تھے، وہ بھی رکھتا تھا اور تمام انبیاء و رسل حکمِ خدا سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور

انہیں گناہوں سے باز رکھتے ہیں۔ (مجمع البیان، ج ۷، ص ۷۔ الحجۃ، ص ۵۷، مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۶۲۳)

تھنیتم ان تقتلوہ و انما امانیکم ھذی کا حلام نائم

نبی اتاع الوحی عذر ربہ و من قال لا، یقرع سن نادم

''اے قریش! تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم ان کو قتل کر پاؤ گے۔ یہ آرزو جو تم اپنے دل و دماغ میں پروان چڑھا رہے ہو، وہ ایک خواب پریشان سے زیادہ نہیں ہے، وہ پیغمبرؐ ہیں اور خدا کی طرف سے وحی ان پر نازل ہوتی ہے۔ جو انکار کرے، وہ پشیمانی اور ندامت کی انگلی منہ میں دابے کھڑا رہ جائیگا۔'' (دیوان ابوطالبؑ۔ ص ۳۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۳۷۳)

الم تعلموا انا وجدنا محمداً رسولا کموسی خط فی اول الکتب

و ان علیہ فی العباد محبۃ ولا حیف فیمن خصہ اللہ بالحب

''اے قریش! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو موسیٰ کی مانند رسول جانتے ہیں۔ ان کا نام ونشان آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے''۔ ''مخلوقِ خدا ان کے ساتھ مخصوص محبت رکھتی ہے۔ اس شخص سے تعصب نہیں رکھنا چاہیے جس کی محبت کو خدا نے عوام کے دلوں میں بھر دیا ہے۔'' (دیوانِ ابوطالبؑ، ص ۳۲۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۱ ص ۳۷۳)

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتی او سدفی التراب دفینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ والبشر بذالک و قومک عیدنا

و دعوتنی و علمت انک ناصحی و لقد دعوت و کنت ثم امینا

و لقد علمت ان دین محمدٌ من خیر ادیان البریۃ دینا

☆ اے میرے بھتیجے! ہرگز قریش تجھ پر قابو نہیں پائیں گے، اس دن تک کہ میں لحد کو بستر بناؤں اور مٹی میں جا کر سو جاؤں، میں تیری مدد سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔

☆ جس چیز پر تو مامور ہے، اس کا کھلم کھلا پرچار کر۔ کسی سے نہ ڈر، لوگوں کو بشارت دے، انکی آنکھوں کو نورِ ہدایت سے روشن کر

☆ تو نے مجھے اپنے دین کی دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ تو میرا خیر خواہ و ناصح ہے، تو نے مجھے ہدایت کی طرف بلایا، تو صادق و امین ہے۔

☆ ا، میں شک نہیں کہ دینِ محمدؐ بہترین ہے تمام ادیان و مذاہب سے۔ (تاریخ ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۲)

او لم منوا بکتاب منزل عجب علی نبی کموسی او کذی النون

''کیا قرآن پر ایمان لانے پر حیرت کا اظہار کرتے ہو جو موسیٰ و یونسؑ جیسے پیغمبر پر نازل ہوا ہے؟'' (دیوانِ ابوطالب ص ۱۷۳۔ ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۷۴)

ان قطعات واشعار میں سے ہر ایک جو حضرت ابوطالبؑ کے سراپا ادب اور مفصل قصائد کا ایک ٹکڑا ہے کہ ہم نے گواہ و شاہد کے طور پر ان میں سے چند چیدہ و برجستہ اشعار کا انتخاب کر کے پیش کیا، آنجناب کے اسلام وایمان کا روشن گواہ ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کا ایک مشہور و معروف قصیدہ ''قصیدۂ لامیہ'' کے نام سے ہے جو اہلِ تاریخ و ادب میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ ابنِ ہشام نے سیرۃ ج ۳، ص ۲۵۶ پر اس کے ۹۴ اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت میں کتاب قصائد سبعہ معلقات سے کم نہیں۔ حق کے متلاشی سیرۃ ابن ہشام میں اسے پڑھ سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: ان اشعار میں سے ہر شعر اس کے کہنے والے کے ایمان و اخلاص کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اگر ان ادبیات کا کہنے والا غرض و تعصبات کے دائرہ سے باہر کا کوئی فرد ہوتا تو تمام

لوگ اس کے اسلام کو بالاتفاق تسلیم کرتے، اس لئے کہ ایمان و خلوص سے بھرپور حضرت ابوطالبؑ کے پاکیزہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر جلوہ گر ہوئے ہیں۔ اموی و عباسی حکومتوں اور اداروں کی پراپیگنڈہ مشینری ہمیشہ آل ابی طالب کے خلاف سرگرم رہی ہے۔ اس لئے ایک جماعت نے نہیں چاہا کہ اس طرح کی ایک فضیلت و برتری وہ ابوطالبؑ کے لئے ثابت کریں۔

پھر وہ علیؑ کے باپ ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد ہمیشہ سیاست کے پہیے ان کے خلاف گردش کرتے رہے ہیں۔ ان کے باپ اسلام و ایمان ان کے لئے بہت بڑی فضیلت شمار ہوتی جبکہ دوسرے خلفاء کے آبا و اجداد ان خلفاء کے لئے تنقیص شمار ہوتے کہ وہ کفر و شرک کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اس لئے کے تمام خلفاء ایک ہی صف میں قرار پائیں۔ کسی ایک کو بھی دوسرے پر برتری نہ ہو۔ ان تمام پر خلوص اشعار، وفا شعار رفتار، صادقانہ کردار کے برعکس ایک جماعت ان کو کافر قرار دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حتیٰ کہ اس پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا ہے کہ ابوطالبؑ کے کفر پر چند آیات نازل ہوئی ہیں۔

ایمانِ ابوطالبؑ کے لئے دوسری راہ:

پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ جناب ابوطالبؑ کا حسنِ سلوک، ان کے لئے جانبازی و فداکاری، ان کے ذات مقدس کا دفاع آپ کے جذبات کو جلوہ گر کرنے والے ہیں کیونکہ جناب ابوطالبؑ ایسی شخصیت ہیں جو اسی پر راضی نہ ہوئے کہ ان کا بھتیجا رنجیدہ و شکستہ دل ہو۔ تمام اندیشوں کے باوجود انہیں شام میں اپنے ساتھ لے گئے۔

ان کا اعتقاد اپنے بھتیجے پر اتنا زیادہ تھا کہ اس کو اپنے ہمراہ مصلیٰ پر لے گئے۔ خدا کو ان کے مرتبہ و مقام کا واسطہ دے کر باران رحمت طلب کی۔

وہ رسول اکرمؐ کی حفاظت میں کسی وقت آرام سے نہ بیٹھتے۔ انہوں نے تین سال کی دربدری، پہاڑ کے درہ میں زندگی اور شعب ابی طالب کے ویرانوں میں کٹھن حالات میں بسر کرنے کو مکہ کی سیادت و ریاست پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ ان تین سالوں کی جانفرسا مشکلات نے ان کو اتنا ماندہ کر دیا کہ انہوں نے اپنی صحت کھو دی۔ مکہ میں مراجعت کے چند روز بعد اس دنیا سے چل بسے۔

حضرت رسول اکرمؐ پر ان کا ایمان اتنا پختہ و محکم تھا کہ وہ اس پر راضی تھے کہ ان کے تمام فرزند قتل ہو جائیں لیکن حضورؐ زندہ رہیں۔ وہ علیؑ کو ان کے بستر پر سلا دیتے تھے تاکہ اگر کوئی برا ارادہ کر رہا ہو تو وہ پورا نہ کر سکے۔ اس سے زیادہ وہ ایک دن اس پر آمادہ ہو گئے کہ قریش کے تمام سرداروں کو از انتقام کی حیثیت سے قتل کر دیں۔ طبعی ہے کہ اس طرح بنی ہاشم کا پورا قبیلہ بھی بدلہ میں مارا جاتا۔

موت کے وقت جناب ابوطالبؑ کی وصیت:

آپ نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو ان الفاظ میں وصیت کی:

''میں محمدؐ کے لئے تمہیں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ امینِ قریش، صادقِ عرب اور تمام کمالات کے مالک ہیں۔ وہ ایسا دین لائے ہیں کہ لوگوں کے دل اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ لیکن ان کی زبانیں لوگوں کے ڈر سے انکار کرتی ہیں۔ میں گویا مستقبل کے دھندلکوں) میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے نادار بے کس عوام ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ محمدؐ نے اپنے عوام کی مدد سے قریش کی صفوں کو توڑنے پر قیام کیا ہے۔ قریش کے سرداروں کو ذلیل و خوار، انکے گھروں کو ویران و تباہ، ان کے بے دست و پا کمزوری کو قوی و طاقتور کر کے سرگرم

عمل کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ذیل کے جملے کہہ کر اپنی گفتگو ختم کیا:

''اے میرے اقرباء! ان کے حزب اسلام کے دوست و حامی رہو، جو بھی ان کی راہ پر چلتا ہے، وہ رشد و ہدایت پاتا ہے۔ اگر موت مجھے مہلت دیتی تو میں ان سے زمانہ کے حوادث و مکروہات کو دور کرتا رہتا۔''

ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس آرزو میں سچے تھے کیونکہ ان کی خدمات و جانفشانیاں خصوصاً آخری دس سالوں میں ان کی گفتگو کی صداقت گواہ ہیں۔ جیسا کہ ان کی سچائی کا ثبوت وہ وعدہ ہے جو انہوں نے بعثت کے آغاز پر آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا۔ کیونکہ جس روز پیغمبر اکرمؐ نے اپنے چچاؤں کو اپنے تمام اقرباء کو اپنے گرد جمع کر کے دین اسلام ان کے سامنے پیش کیا تھا تو ابو طالبؑ نے انہیں کہا تھا:

''میرے بھتیجے! قیام کر، تو بلند مقام ہے۔ تیرا حزب تمام جماعتوں سے گرامی ترین ہے۔ تو ایک بزرگ انسان کا فرزند ہے۔ جب بھی کوئی زبان تجھے آزار دے تو تیز زبانیں تیرا دفاع کریں گی۔ تیز تلواریں ان کو کاٹ کر رکھ دیں گی۔ خدا کی قسم! اعراب تیرے حضور میں اس طرح خضوع کریں گے جس طرح ایک حیوان کا بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔''

آخری راہ:

بہتر ہے کہ ہم حضرت ابو طالبؑ کا ایمان ان کے بے لوث قریبیوں سے پوچھیں کیونکہ ''اھل البیت ادری بما فی البیت'' ''گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے۔''

۱۔ جب حضرت علیؑ نے جناب ابو طالبؑ کی موت کی خبر اپنے پیغمبرؐ کو پہنچائی، حضورؐ سخت روئے۔ علیؑ کو ان کے غسل، کفن اور دفن کا حکم صادر فرمایا، خدا سے ان کے لئے مغفرت طلب کی (شرح حدیدی، ج ۱۴، ص ۷۶)

۲۔ چوتھے امامؑ کے حضور میں ایمانِ ابو طالبؑ کی بات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں حیران ہوں کہ کیوں لوگ ان کے خلوص میں شک کرتے ہیں جبکہ کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد اپنے کافر شوہر کے نکاح میں رہے۔ فاطمہ بنت اسد اسلام لانے میں سابقات میں سے ہیں اور ان عورتوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے حضورؐ پر ایمان لائیں۔ یہی خاتون ابو طالب کے نکاح میں ان کی موت تک رہیں۔

۳۔ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ''ابو طالبؑ کا ایمان بہت سے لوگوں کے ایمان پر فوقیت رکھتا ہے۔ امیر المومنینؑ حکم دیا کرتے تھے کہ ان کی طرف سے حج بجالائیں''

۴۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: ''حضرت ابو طالبؑ اصحاب کہف کی مانند ہیں۔ انہوں نے ''اسرار و الایمان و اظھر الشرک فاتاھم اجرھم مرتین'' ''ایمان کو چھپایا، شرک کا ظاہراً اظہار کیا اس لئے وہ دوگنا اجر پائیں گے''۔ (اصول کافی، ص ۲۴۴)

شیعہ علماء کا نقطہ نظر:

علمائے امامیہ سب کے سب اہل بیتؑ کی پیروی میں اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ اسلام کی ایک عظیم اور برجستہ شخصیت تھے۔ جس دن ان کی پاکیزہ روح ان کے بدن سے جدا ہوئی، وہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ایمان و اخلاص سے لبریز دل رکھتے تھے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں اور کتابچے لکھے گئے ہیں۔

باب المتفرقات

امام جعفر صادق علیہ السلام
پیشوا و رہنماء مذہب

از خطیب اہل بیت ڈاکٹر افتخار حسین اعوان سرگودہا

ولادت امام علیہ السلام:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سترہ ربیع الاول پیر کے دن ۸۳ھ میں متولد ہوئے۔ جو کہ جناب رسولِ خداؐ کی ولادت کے دن سے موافق و مطابق ہے۔

تمام مومنین کرام کو ۱۷ ربیع الاول ولادت حضرت پیغمبر اکرمؐ اور ولادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مبارک ہو۔

اسم گرامی اور کنیت: آپ کا اسم گرامی جعفر ابن محمد ہے۔ اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔

آپؑ کے القاب صابر، فاضل، طاہر اور صادق ہیں۔ ان تمام القابات میں سے سب سے زیادہ شہرت ''صادق'' کو ملی ہے۔

لقب صادقؑ کی وجہ: ابن بابویہ اور قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ کے بعد امام کون ہے۔ فرمایا کہ محمد باقرؑ جو علم کو شگافتہ کرے گا۔ جو کہ شگافتہ اور ظاہر کرنے کا حق ہے۔ پھر سائل نے سوال کیا کہ ان کے بعد امام کون ہوگا۔ فرمایا: ''جعفر'' کہ جن کا نام اہل آسمان کے نزدیک ''صادق'' ہے۔ سوال کیا گیا۔ کہ انہیں خصوصیت کے ساتھ صادق کیوں کہا جاتا ہے۔ جبکہ آپ سارے راست باز اور سچے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: کہ مجھے میرے والد گرامی نے اپنے بابا اور انہوں نے حضرت رسولؐ خدا سے خبر دی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ جب میرا بیٹا جعفر بن محمد بن علی بن حسین علیہم السلام پیدا ہو تو اُن کا نام صادق رکھنا۔ کیونکہ اس کی اولاد میں سے پانچویں پشت میں جعفر نامی ہوگا۔ جو جھوٹا امامت کا دعویٰ کرے گا۔ اور افترا باندھے گا۔ اور وہ خدا کے نزدیک جعفر کذاب خدا پر افترا باندھنے والا ہے۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا گویا میں جعفر کذاب کو دیکھ رہا ہوں کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کے خلاف خلیفہ جور کو برانگیختہ کیا ہے۔ پوشیدہ و پنہاں امامؑ کی تفتیش و جستجو پر یعنی صاحب الزمان علیہ السلام پر۔

آپ کی والدہ ماجدہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ، نجیبہ، جلیلہ، مکرمہ علیا جناب فاطمہ مسماۃ بہ اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔

حضرتؑ فرماتے ہیں۔ کہ میری والدہ ان عورتوں میں سے ہیں کہ جو ایمان لائیں اور تقویٰ و پرہیز گاری کو اختیار کیا اور احسان و نیکوکاری کی اور خدا نیکوکار لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے مختلف لوگوں کی آراء: ہمارے پیشوا و رہنماء حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کے علم و دانش اور ہدایات و ارشادات کا آوازہ اس قدر بلند تھا۔ کہ اس وقت کے تمام مختلف الفکر لوگوں نے متفقہ طور پر آپ کو "صادق آل محمدؐ" کا لقب دیا۔ علمی محفلوں، صاحبانِ عقل و دانش کی مجلسوں غرضیکہ ہر جگہ آپ کو غیر معمولی نظر احترام و عظمت سے دیکھا جاتا تھا۔ سخت سے سخت دشمن بھی آپ کے فضائل سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ چند اقوال پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر حامد حنفی: قاہرہ یونیورسٹی کے غیر ملکی زبانوں کے شعبہ کے سربراہ کہتے ہیں: "بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا کہ میں تاریخ فقہ اور علوم اسلامی میں محقق کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اسی وقت سے نسل نبوت کی پاک و پاکیزہ اور با کرامت شخصیت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اپنی طرف کیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت ترقی پسند رہبروں میں سے تھے۔ اور آپ اسلامی علوم کے موجد اور سب سے متعہد اور ذمہ دار مفکر ہیں۔ جو ہمیشہ شیعی و سنی دانش مندوں کے مرکز توجہ رہے ہیں اور رہیں گے۔"

۲۔ امام مالک: اہلسنت والجماعت کے امام مالک بن انس کہتے ہیں: جس وقت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ تو میں صرف تین حالتوں میں سے کسی حال میں پاتا تھا۔ یا تو حضرت نماز پڑھ رہے ہوتے یا روزہ سے ہوتے یا قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے۔ میں نے علم و دانش اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے کسی کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہتر نہیں دیکھا۔

۳۔ امام ابو حنیفہ: اہلسنت کے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے ایک مرتبہ منصور کے کہنے پر چالیس اہم اور مشکل مسئلے تیار کیے پھر انہیں خلیفہ کے سامنے حضرتؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ تو حضرتؑ نے اختلاف اقوال کے مقام موارد کو بیان کرتے ہوئے ان مسائل کے ایسے جوابات دیے کہ سب کو اعتراف کرنا پڑا کہ سب سے بڑے دانشمند اور لوگوں کے اختلاف آراء کے موارد سے سب سے زیادہ آگاہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

۴۔ ابن العوجاء: مشہور و معروف دہریہ کہتا ہے۔

اگر روئے زمین پر کوئی روحانی فرد موجود ہے۔ جو کبھی کبھی بشر کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات ہے۔

۵۔ عارف ثامر مسیحی دانشور: قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ علوم شرقیہ کے استاد لکھتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں جو شخص بھی بغیر کسی غرض اور تعصب کے جدید عقلی اصول و معیار پر علمی تجزیہ و تحلیل کرے گا۔ تو اسے مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امامؑ کی شخصیت "فلسفے" کا مجموعہ تھی۔ جسے خود اپنے اوپر اعتماد تھا۔ انہوں نے بہت سی جدتوں فنی فکروں اور جدید اصول و نظریات کی بنیاد رکھی ہے۔

۶۔ منصور دوانیقی: امامؑ کے شدید ترین دشمنوں اور رقیبوں میں سے تھا۔ مگر اسے بھی اعتراف ہے۔ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام خیر و خیرات اور نیکیوں کے ویسے ہی پیشرو تھے جس طرح قرآن نے فرمایا ہے۔ ایک سخت ترین دشمن کا اعتراف کرنا آپ کی عظمت کی بہترین دلیل ہے۔

۷۔ ڈاکٹر عبدالقادر محمود: مصر کے صاحب قلم ڈاکٹر عبدالقادر محمود نے "الامام الصادق رائد السنة والشیعة" کے عنوان سے دو سو اسی ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کے پیش

لفظ میں لکھتے ہیں ''آپ سنی اور شیعہ دونوں ہی کے پیشوا ہیں۔

آپ کے بارے میں ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہو جانا کافی ہے۔

کہ آپ جلیل القدر فقہی پیشوا ابو حنیفہ اور امام مالک کے استاد ہیں اور علمی اعتبار سے کیمسٹری کے ماہر جابر بن حیان کے استاد ہیں۔

آپ کی ذات کسی ایک مذہب و مکتب سے مخصوص نہیں ہے۔''

۸۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہری: آقائے شہید مطہری تحریر فرماتے ہیں: ''امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے دور اور زمانے میں زندگی گزار رہے تھے۔ جب سیاسی حادثات کے علاوہ سماجی حوادث کا بھی ایک سلسلہ جاری تھا۔ اور فکری اور روحانی پیچیدگی و ابہام پیدا ہو گیا تھا۔ جس کا لازمہ یہ تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس محاذ پر اپنے جہاد کا آغاز کریں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے مقتضیات حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے سے بہت مختلف تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ دوسری صدی کے نصف اول کا زمانہ تھا۔ جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا زمانہ پہلی صدی کی ابتداء سے تعلق رکھتا ہے۔ اس وقت جو لوگ اسلامی ممالک میں اسلام کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے لئے صرف ایک ہی محاذ تھا اور وہ محاذ خلافت کا فاسد نظام تھا۔ اور عالم اسلام کے تمام حوادث اسی سے مربوط تھے۔

ابھی دوسرے محاذ وجود میں نہیں آئے تھے۔ اس وقت لوگ فکری اور روحانی اعتبار سے صدر اسلام کی سادہ زندگی رکھتے تھے۔ مگر اس کے بعد کے ادوار میں مختلف اسباب و علل کی بنا پر دوسرے محاذ بھی وجود پذیر ہوئے۔ اور مسلمانوں کے درمیان عظیم علمی و ثقافتی محاذوں کا آغاز ہوا اور اصول و فروع دین میں مختلف مذاہب و ملل پیدا ہو گئے۔''

پھر شہید مطہری آگے تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تاریخ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو ابن ابی العوجا اور ابو شاکر دیصانی جیسے زندیق اور دھریے حتی کہ ابن مقفع آپؑ سے بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف عمر بن عبید اور واصل بن عطا جیسے اکابر معتزلہ الہیات کے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ابو حنیفہ اور مالک جیسے فقہا بھی امامؑ کی خدمت میں استفادہ کے لیے آتے ہیں۔ شافعی اور احمد بن حنبل کو حضرت کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ حضرتؑ کی خدمت میں متصوفہ بھی آتے جاتے ہیں۔ اور سوال و جواب کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ امام جعفر صادقؑ کا زمانہ عقائد و افکار کا دور تھا۔ اور اس وقت کی ضرورت اور تقاضا یہی تھا کہ امامؑ اس میدان اور محاذ پر جدو جہد فرمائیں۔''

پہلی اسلامی یونیورسٹی:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی ممالک کے قلب یعنی ''مدینہ منورہ'' میں جس ادارے کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ سب سے باقاعدہ پہلی عظیم یونیورسٹی تھی۔ اس عظیم یونیورسٹی میں کم و بیش چار ہزار شاگرد تھے۔ ان میں ایسے ایسے نامور اور ممتاز دانش مند بھی ہیں۔ جن کے نام آج بھی یورپ کی علمی کتابوں میں موجود ہیں۔ سیاسی دباؤ اور سماجی گھٹن کے باوجود شاگردوں، دانش مندوں اور علم کے متوالوں کی اتنی بڑی تعداد ایک تاریخی معجزہ ہے۔ اور اگر امام علیہ السلام کو کامل طور پر آزادی عمل نصیب ہوئی ہوتی اور آپ کو پورا پورا موقع مل گیا ہوتا۔ تو امام اس سے زیادہ بلند و بالا صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے اور جہان اسلام کو مالا مال کرتے۔

حضرتؑ کے زمانے کے حکمران:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی زندگی میں دس خودسر ظالم اموی اور دو عباسی حکمرانوں کا زمانہ دیکھا ان میں کچھ آپ کے بچپن میں گزرے۔ اور کچھ آپ کی امامت کے دور میں

اموی حکمران

(۱) عبدالملک بن مروان، (۲) ولید بن عبدالملک

(۳) سلیمان ابن عبدالملک، (۴) عمر بن عبدالعزیز

(۵) یزید بن عبدالملک، (۶) ہشام بن عبدالملک

(۷) ولید بن عبدالملک، (۸) یزید ناقص

(۹) ابراہیم بن ولید، (۱۰) مروان

عباسی حکمران:

(۱) ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عباس۔ چار سال حکومت کی یہ اپنے آپ کو سفاح کہتا تھا یعنی ''خونریز''

(۲) منصور عباسی

ظلم و جبر اور گھٹن کا ماحول:

عبداللہ بن محمد سفاح جو کہ پہلا عباسی خلیفہ تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور خلافت کی مسند پر آیا اور کم و بیش بائیس سال حکومت کی۔ منصور کا عہد حکومت گھٹن سے بھرا ہوا تھا۔ اور تاریخ اسلامی کی انتہائی بدترین دور تھا۔ حکومت نے خوف و دہشت پھیلا کر لوگوں کی سانس کو سینوں میں روک دیا تھا۔ منصور کے دور حکومت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ایام بڑی خاموشی سے گزارے۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ منصور کے جاسوسوں کی حضرتؑ کے ہاں آنے والے لوگوں پر اور آپ کے درس و تدریس پر نظر تھی۔ روزانہ بے سروپا شکایتوں کی بنیاد پر حضرتؑ کو بار بار دربار میں بلایا جاتا اور وضاحت طلب کی جاتی۔ کبھی کبھی حضرت کی شان میں گستاخی کی جسارت کی جاتی۔ قتل کی دھمکیاں دی جاتیں۔

منصور یہ طے کر چکا تھا کہ خاندان امیر المومنین علیہ السلام کی تمام قابل اور اعلیٰ شخصیتوں کو بدترین صورت سے نیست و نابود کر دے۔

''بنی عباس کے مظالم کے بارے میں عرب کا ایک شاعر کہتا ہے''

ب تا الله ما فعلت امية فيهم
معشار ما فعلت بنو العباس

بخدا بنی عباس نے جو کچھ اولادِ علیؑ کے ساتھ کیا۔ بنی امیہ نے (اپنی تمام جنایتوں اور خونریزیوں کے باوجود) اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔

شہادت امام علیہ السلام:

حضرتؑ کی تاریخ شہادت میں اختلاف ہے۔ تاہم منصور عباسی کے دور حکومت میں ۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں زہر سے ہوئی۔ خداوند کریم محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے دشمنوں اور قاتلوں پر لعنت کرے۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ ہمیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کا سچا شیعہ اور حیدار بن کر مرنے جینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرین۔

☆☆☆☆☆

باب المتفرقات

حضرت رسول اکرمؐ کی خصوصی صفات

از کتاب اخلاق نبوی مولانا اقبال حسین

ہم آپؐ کے ان شخصی اوصاف کے بارے میں بحث کریں گے کہ جو ایک انسان کامل اور زندہ نمونے اور پوری عالم بشریت کیلئے بلند مثال ہیں۔ آپ کا لایا ہوا دین آفاقی ہے اور رہتی دنیا تک لازوال اور باقی ہے۔ اور قطع نظر آپؐ کی نبوت پر ایمان رکھنے والوں کے آپؐ کی زندگی ہر صاحب عقل کیلئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ اور عمومی طور پر ہر شخص کو آپؐ کی زندگی کی ذاتی خصوصیات کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ عمومی زاویے سے بھی آپؐ کے کردار کی بلندی واضح ہو سکے۔ واضح سی بات ہے کہ ہر شخص کی صفات اس کے چال چلن اور معاشرتی سلوک و کارناموں سے ہی پرکھی جاتی ہیں۔ انسانیت کا خالق انسان کے مخفی گوشوں اور ظاہری حالتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ جب بھی کسی کام کے متعلق حکم دیتا ہے تو یقیناً وہ ان کی بھلائی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور اس میں اس کے منافع اور نجات ہوتی ہے۔ پس جب اس نے اپنے بندوں کو رسول کی اتباع کا حکم دیا ہے تو اس میں شک نہیں اس میں زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارے لیے رسول کی زندگی نمونہ عمل ہے۔ اور وہ ایک اچھا نمونہ اپنے آپ کی استقامت بجائے خود ایک درس ہے۔ آپ کبھی بھی دنیاوی، مزاجی اور ذاتی عوامل سے متاثر نہیں ہوئے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بیماری کی حالت میں انسان کے اخلاق تبدیل ہو جاتے ہیں کبھی وہ اعصابی خلل کا شکار ہوتا ہے تو کبھی اس میں صبر و تحمل باقی نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات بعض زندگی کے فیصلوں کی وجہ سے اس کے عمدہ اخلاق بدل جاتے ہیں اور اسکی طبیعت میں انحراف آجاتا ہے۔ اور بعض اوقات فقر و تنگدستی اور محرومیت کی وجہ سے درشت مزاج ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ثروت و تونگری اسے تکبر و سرکشی سے دوچار کر دیتی ہے اور بعض اوقات عمدہ منصب کی بلندی اسے دوسروں پر برتری کے احساس میں مبتلا کر دیتی ہے جو اسکی ذات کی کمزوری اور طبیعت کی پستی کی دلیل قرار پاتی ہے۔ اور اس بات کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تنہائی اور نامرادی اور سماجی بے پرواہی بھی بعض افراد کو ترشرو اور سخت طبع بنا دیتی ہے۔

لیکن تاریخ اس بات کا کوئی ایک بھی واقعہ نقل کرنے سے قاصر ہے کہ مذکورہ تمام مراحل کے آپ کی زندگی میں پیش آنے کے باوجود آپؐ سے کسی بھی وقت تبدیلی طبع کا مشاہدہ ہوا ہو۔ آپ پر فقر و تنگدستی کے احوال بھی گذرے آپ کو بلند منصب و مرتبہ ظاہری و باطنی طور پر حاصل ہوا۔ آپ پر غم و اندوہ کی بارش ہوئی آپ جسمانی و بدنی امراض سے بھی دوچار ہوئے آپ کو تنہائی اور بھرپور اجتماعی حمایت بھی حاصل ہوئی لیکن ان تمام حالات نے آپ کی ذات و صفات کسی پر ذرہ بھر منفی اثر نہیں چھوڑا اور آپ کی استقامت میں کبھی بال برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی اس لئے کہ آپ کمونہ بھی تھے۔ اور آپ معیار بھی تھے اور آپؐ خلق عظیم کے مالک بھی تھے آپ ایک ایسی بلند کردار کی چٹان تھے کہ آپ کے خلق عظیم کے سامنے اور

آپؐ کے حسن سلوک کے سامنے تمام معیار بے وقعت تھے۔ سچائی اخلاص وفاداری انکساری مہربانی حسن اخلاق اور لوگوں سے اچھا سلوک جیسی عمدہ صفات اس پر فخر کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ آپ کی صفات قرار پائیں۔ آپؐ کی بعض خصوصی صفات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے تاکہ اہل ایمان کیلئے نمونہ اقتداء قرار پائیں اور انسانیت کے کامل نمونے تلاش کرنے والوں کی مراد پوری ہو۔

۱۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں حضرت رسولؐ کا رنگ چمکدار اور اس قدر تابناک تھا کہ گویا لولو ہو۔ آپؐ جب چلتے تو سرو قامت لگتے۔ میں نے آپ کی خوشبو سے بہتر کوئی عنبر کستوری کی خوشبو بھی نہیں پائی اور آپ کی ہتھیلی اس قدر نرم تھی کہ ابریشم و دیباج بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے آپ کامل تر نماز ادا کرتے لیکن نمازیوں کو کبھی تھکن محسوس نہیں ہوتی تھی۔

۲۔ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی صفات سے ہے کہ ہماری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ہمارے دل نہیں سوتے۔ صاحب بصائر الدرجات۔

۳۔ ہند ابن ہالہ آپ کی گفتگو کے انداز کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ آپ کی کیفیت سے غمگینی غمخواری اور دائمی فکرمندی کا سا احساس ہوتا تھا۔ آپ بے چین نظر آتے زیادہ تر سکوت اختیار فرماتے۔ ضرورت کے بغیر گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ گفتگو کا آغاز واختتام کرتے آپؐ گفتگو کے مضمون کے مکمل ہونے پر وقفہ فرماتے۔ آپ کی گفتگو فضولیات سے پاک ہوتی اور اس قدر کوتاہ بھی نہ ہوتی کہ مقصد سے قاصر ہو۔ انداز نرم ہوتا تھا سخت نہیں۔ اور کبھی گفتگو بھی نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی نظروں میں معمولی سی نعمت بھی پرعظمت ہوا کرتی تھی۔ آپ نعمت کی کبھی بھی مذمت نہیں فرماتے تھے البتہ آپ ذائقہ پسند افراد کی مذمت بھی نہ کرتے اور نہ ہی ان کی تعریف کرتے کبھی دنیا کی وجہ سے ناراحتی کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کے حصول پر خوش ہوئے اگر آپ کو آپ کے حقوق ملتے تو شہرت نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر آپؐ کسی سے ناراض ہوتے تو کسی کو اپنی مدد کے لئے برانگیختہ نہیں کرتے تھے اگر کسی طرف اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے اور جب آپؐ کو کسی بات پر تعجب ہوتا تو ہتھیلی کو الٹا کردیتے اور اگر کسی بات پر اتصال سمجھانے کی ضرورت پیش آتی تو اپنی دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اوپر رکھ دیتے اور جب آپؐ ناراض ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور چپ رہتے اور جب خوش ہوتے تو آنکھیں نیچی کرتے جب پورا ہنستے تو زیادہ سے زیادہ تبسم فرماتے۔ مسکراتے۔

۴۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا خداوند متعال نے اپنے رسول کو عمدہ اخلاق سے نوازا تم بھی اپنی عادات کی چھان بین کیا کرو اور پھر ان میں سے بعض کا ذکر فرمایا۔ یقین، کفایت شعاری، صبر، شکر، بردباری، حسن اخلاق، سخاوت، غیرت، شجاعت، مروت وغیرہ

۵۔ حضرت امیر المومنین علیؑ سے روایت ہے کہ آپ جب حضرت رسول اکرمؐ کے اوصاف بیان کرتے تو فرماتے: آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور بہت زیادہ دلیر اور سب سے زیادہ سچ بولنے والے اور انتہائی وعدہ وفا کرنے والے اور حد سے زیادہ نرم خو اور لوگوں کے ساتھ انتہائی شریفانہ سلوک کرنے والے تھے۔ آپ کو جب کوئی شخص پہلی نظر دیکھتا تو اس پر آپ کی ہیبت چھا جاتی اور جو آپؐ کی معرفت حاصل کرکے آپؐ سے میل جول رکھتا آپ کا گرویدہ ہوجاتا میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا۔

۶۔ امام رضاؑ نے فرمایا: میں نے اپنے آباء سے سنا کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے لوگو۔ تم اچھے اخلاق سیکھنے کی کوشش

کرو۔ خداوند متعال نے مجھے ان اچھے اخلاق کو عام کرنے کیلئے بھیجا اور مکارم اخلاق میں سے ہے کہ آدمی ایسے شخص کو بھی معاف کر دے جس نے اس پر ظلم کیا ہو۔ اور جو اسے کچھ نہ دے اسے عطا کرے۔ اور رشتہ داروں میں سے جو قطع تعلق کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور جو کوئی اس کی بیمار پرسی کیلئے نہ آئے اس کی بھی بیمار پرسی کیلئے جائے۔

۷۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا حضرت نبی کریم کا فرمان ہے: کیا میں آپ کو اپنے ساتھ زیادہ مشابہت رکھنے والے افراد بتاؤں؟ تو لوگوں نے کہا۔ ہاں اے رسول خدا۔ تو آپؐ نے فرمایا: جو تم میں سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک ہوں اور تم میں سے زیادہ نرم مزاج ہوں اور اپنے قرابت داروں سے نیکی کا سلوک کرنے والے ہوں اور دین اور خدا کی وجہ سے اپنے دینی بھائیوں سے زیادہ محبت کرنے والے ہوں۔ اور حق پر ہوتے ہوئے زیادہ صبر کرنے والے ہوں اور ناراضگی وخوشی کی حالت میں انصاف کے پابند ہوں

۸۔ جناب غزالی نے احیاء العلوم کی جلد دوم ص ۳۶۰ پر یوں تحریر فرمایا ہے: آپؐ بہت سخی تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپؐ کے پاس رات بھر کوئی درھم و دینار ٹھہرا ہو۔ بلکہ روزانہ کی آمدنی دن ہی کو خرچ کر دیا کرتے تھے آپؐ خدا کے دیئے سے سال بھر کے خرچہ سے زیادہ جمع نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ سے جب بھی کوئی شئی مانگی گئی آپؐ نے فوراً دیدی آپ حق کا فیصلہ کرتے اگرچہ بظاہر آپؐ کے لیے نقصان دہ ہی ہوتا۔ آپؐ اپنے دشمنوں کے زغے میں بغیر کسی محافظ کے چلے جاتے۔ آپؐ کو دنیاوی امور کبھی ہولناک محسوس نہیں ہوئے فقراء کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے تھے۔ صاحبان علم وفضل کی ان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے عزت کرتے اور اہل شرف ورتبہ کے ساتھ اچھا سلوک کر کے ان سے الفت پیدا کرتے آپؐ اپنے اقرباء اور رشتہ داروں سے اس طرح رابطہ رکھتے کہ ان سے افضل صاحبان فضل پر ان کو ترجیح نہیں دیتے تھے کسی پر جفا نہیں کرتے اگر کوئی آپؐ سے معذرت کرتا تو اسکی معذرت قبول کرتے۔ آپؐ نے کبھی اپنی زندگی میں اپنے غلام اور لونڈیوں کے ساتھ کھانے پینے اور لباس میں امتیازی سلوک نہیں کیا۔ آپ انہیں اپنے جیسا کھلاتے پلاتے اور پہناتے تھے۔ آپ کبھی بھی کوئی کام خدا کی رضا کے حصول کے علاوہ نہیں کرتے تھے آپ اپنے صحابہ کے باغوں میں تشریف لے جاتے آپؐ کسی مسکین کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے اور کسی بادشاہ سے اس کے ملک کی وجہ سے مرعوب نہیں ہوتے تھے آپؐ ہر کسی کو خدا کی طرف کو برابر کی دعوت دیتے۔

۹۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا مجھے میرے خدا نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ظاہر باطن ہر وقت اخلاص کا حکم دیا۔ اور یہ کہ اگر کوئی مجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دوں اور جو مجھے اپنی عنایات سے محروم رکھے اس کو عطا کروں اور جو میرے ساتھ قطع تعلق کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور میری چپ فکر پر مبنی ہو اور غور و خوض میں عبرت ہو۔

۱۰۔ رسول اکرم آزاد و غلام دونوں کی دعوت برابر قبول کرتے اگر چہ معمولی سی ہی کیوں نہ ہوتی۔ اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہوتا۔ آپؐ ہدیہ قبول کرتے چاہے ایک گھونٹ دودھ ہوتا آپؐ پی لیتے۔ لیکن آپ صدقہ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کبھی کسی کے چہرے پر نظریں جما کر نگاہ نہیں فرماتے تھے خدا کی وجہ سے ناراض ہوتے اور اپنی وجہ سے کبھی نہیں۔ کبھی بھی تو بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ جو کچھ کم وبیش سادہ وغیرہ ملتا کھا لیتے اور جو کچھ مل جاتا اسے رد نہیں کرتے تھے۔ وضو کے وقت مسواک کرتے پیدل چلتے۔ جنازہ

کی تشییع کرتے مریضوں کی بیمار پرسی کے لئے دور دور تک جاتے مدینہ کے آخری گھروں تک بھی جاتے۔ نزول قرآن سے قبل آپؐ اکثر مسکراتے نظر آتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی حتی گالی دینے والے کو بھی اس کی گالی کا جواب نہیں دیتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی نوکر و خادمہ کو لعن طعن نہیں کی۔ اگر آپؐ کے پاس کسی کو ملامت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو آپؐ کے پاس جب بھی کوئی ضرورت مند آتا تو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام آپؐ اس کے کام و حاجت روائی پر روانہ ہو جاتے۔ آپؐ درشت رو، سخت مزاج اور بازاروں میں بلند آواز سے بات کرنے والے نہیں تھے۔ آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ آپؐ بخش دیتے اور درگزر فرماتے۔ آپؐ خوشی و ناراضگی کی حالت میں بھی حق کا فیصلہ کرتے۔

۱۱۔ آپ فال سے منع نہیں کرتے تھے اور بدشگونی کو ناپسند فرماتے تھے۔

۱۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے خدا نے سات صفات اپنانے کا حکم دیا ہے۔ مساکین سے محبت اور ان کے قریب ہونا۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کا زیادہ ورد کرنا اور رشتہ داروں کی قطع تعلقی کے باوجود صلہ رحمی کرنا۔ اپنے سے کم کو دیکھوں اور اپنے سے بلند معیار پر نظر نہ کروں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت کا اثر نہ لوں۔ حق بات کروں چاہے کڑوی ہو کبھی کسی سے کچھ نہ مانگوں۔''

۱۳۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا اگر آپ اپنی زندگی کا معمول بنالیں کہ آپ کے دل میں کسی کے بارے دھوکہ کا ارادہ نہ ہو۔ تو ایسا ہی کرو اور یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل کیا تو اس نے مجھے زندہ کر دیا۔ اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

۱۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب راستہ چلتے تو اسطرح چلتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ عاجز اور نہ ہی سستی کی رفتار ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۰

۲۔ خواہشات کے بے جا تکمیل اور اس راہ میں افراط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خواہشات کے سامنے انسان اتنا بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی خواہشات پر اس کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا اور وہ ان کا غلام اور نوکر بن کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف اگر انسان واقعاً کسی اصول و ضابطہ کے مطابق محدود پیمانہ پر ان کی تکمیل کرنے تو پھر اپنی خواہشات پر اسکا مکمل اختیار رہتا ہے اور وہ انہیں جدھر چاہے موڑ سکتا ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

دنیا کے لالچی انسان کی مثال ریشم کے اس کیڑے جیسی ہے کہ جو اپنے اوپر جتنا ریشم لپٹا جاتا ہے اسکے نکلنے کا راستہ اتنا ہی تنگ ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

اخبار غم

۱۔ جناب مختار احمد سندرانہ آف بھلوال کی دادی محترمہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں چند دن بعد ان کی والدہ محترمہ بھی انتقال فرما گئی تھیں اللہ ان کی دادی اماں اور والدہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

۲۔ جناب مخدوم سید عطا حسین شاہ صاحب آف پیر عادل ضلع ڈی جی خان کے صاحبزادے سید نیاز حسین شاہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۳۔ مخدوم سید جعفر رضا گردیزی آف ملتان کے چچازاد سید سلطان شاہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

اہل ایمان کیلئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصہ شہود پر آچکی ہیں۔

۱۔ **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل ۱۰ جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔

۲۔ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصہ شہود پر آگئی ہے۔

۳۔ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔

۴۔ **اثبات الامامت** آئمہ اثناعشر کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

۵۔ **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔

۶۔ **تحقیقات الفریقین** اور **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

۷۔ **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصہ شہود پر آگئی ہے جسکا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

۸۔ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرہویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

۹۔ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔

منجانب **منیجر مکتبۃ السبطین** 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات

- بے شک ہماری شفاعت اس کو نہیں پہنچے گی جو نماز کو معمولی سمجھے
- ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ کفر کی جڑ یہی حسد ہے
- تین چیزیں محبت پیدا کرتی ہیں: قرض دینا، انکساری سے پیش آنا اور بخشش کرنا
- تین چیزیں دشمنی پیدا کرتی ہیں: منافقت، ظلم اور خود پسندی
- تین چیزیں زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں: ظالم حاکم، بُرا پڑوسی، بدزبان اور بے حیاء عورت
- تین چیزیں انسان کی بزرگواری کا پتا دیتی ہیں: حسنِ اخلاق، غصہ پینا، نگاہیں جھکانا
- تین چیزوں میں انسیت پائی جاتی ہے: ہمدم بیوی، نیک اولاد، مخلص دوست
- میرے نزدیک پسندیدہ ترین بھائی وہ ہے جو میرے عیوب بتائے
- عقل سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور حماقت سے پست تر کوئی غربت نہیں
- بہترین میراث جو باپ اپنے بچوں کیلئے چھوڑتا ہے وہ ادب اور تربیت ہے نہ کہ مال و دولت